جلد ۱۲ شمارہ ۹ ستمبر ۲۰۰۰ء جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ

فہرست

شذرات

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اپیل	منظور الحسن	۲
جمہوریت اور اصلاح معاشرہ	محمد بلال	۶

قرآنیات

البیان: البقرہ ۲: ۱۰۸-۱۱۳ (۲۱)	جاوید احمد غامدی	۱۲

معارف نبوی

یہودی سائل، مسلمانوں کا حق اور جہاد، ایمان کا سایہ	طالب محسن	۱۶

دین و دانش

رسوم و آداب (۴)	جاوید احمد غامدی	۲۳
تصویر (۵)	محمد رفیع مفتی	۲۷
حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی حقیقت	محمد مشتاق احمد	۳۵

یسئلون

پل صراط، زکوٰۃ کے مسائل، قومی ترقی اور عورت کا کردار، عقل کا استعمال	طالب محسن	۵۳

ادبیات

میں حاضر ہوں! میں حاضر ہوں! (۳)	محمد بلال	۶۰
رازداں (نظم)	جاوید احمد غامدی	۶۶

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اپیل

ممتاز دانش ور اور مذہبی رہنما جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پاکستان کی جہادی تحریکوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ اپنی جدوجہد منظم اور پر امن طریقے سے کریں۔ ان کی یہ اپیل ۶ اگست کے اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔اپیل کا آغاز انھوں اس روایت سے کیا ہے:

"مجھ سے پہلے اللہ نے جس امت میں بھی کسی نبی کو مبعوث کیا اس ہیں اس کے کچھ نہ کچھ حواری اور صحابہ ضرور ایسے ہوئے جو اس کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور اس کے جملہ احکام کی پیروی کرتے تھے۔ لیکن بعد میں (ہمیشہ) ایسے ناخلف پیدا ہوتے رہے جو جو کچھ کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور عملاً کام وہ کرتے تھے جن کا ان کو حکم ہی نہیں ہوا تھا! پس (میری امت میں سے) جو شخص ایسے لوگوں کے خلاف طاقت سے جہاد کرے گا وہ مومن ہو گا، اور جو زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہو گا، اور جو دل سے جہاد کرے گا (یعنی ان سے دلی نفرت رکھے گا) وہ بھی ادنیٰ درجہ کا مومن ہو گا۔ لیکن اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر ایمان کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔" (مسلم)

انھوں نے جہادی تحریکوں کو اس حدیث پر غور کرنے کی دعوت دینے کے بعد لکھا ہے:

" واقعہ یہ ہے کہ اگر پاکستان کی جملہ جہادی تنظیمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں اجتماعی قوت کے ساتھ منظم لیکن پر امن اور غیر مسلح جہاد شروع کر دیں تو پاکستان کو اس عالمی "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کا نقطہ ءآغاز بننے میں کچھ دیر نہیں لگے گی، جس کی خوش خبری نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے جس طرح حدیث کو عموم کے اسلوب میں پیش کیا ہے، جس طرح امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کو غیر حکومتی تنظیموں کی ذمہ داری تصور کیا ہے اور جس طرح ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' کے قیام کو زمانۂ حال کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خوش خبری قرار دیا ہے، یہ ہمارے نزدیک محلِ نظر ہے، البتہ ان کی دو نصیحییں بہر حال لائقِ صد تحسین ہیں:

ایک یہ کہ جہادی تنظیمیں اجتماعی قوت کے ساتھ منظم ہوں۔

اور دوسرے یہ کہ وہ پر امن اور غیر مسلح جہاد شروع کریں۔

ہماری مذہبی تنظیموں اور تحریکوں کے یہی وہ بڑے مسئلے ہیں جن کی وجہ سے وہ تعمیر کے بجائے تخریب کا باعث بن رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت دانش مندی کے ساتھ ان مسائل کی نشان دہی کر دی ہے۔ اللہ انھیں اس کی جزا دے۔ کاش ہماری مذہبی تحریکوں کے اربابِ حل و عقد ان کی اس نصیحت پر دھیان دیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کریں۔

یہ ہم مسلمانوں کا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم نظم و ترتیب سے بالکل ناآشنا ہو کر رہ گئے ہیں۔ سیاست، معیشت، عدالت، تعلیم، صحت، غرض یہ کہ کسی شعبۂ زندگی میں بھی ہمارے ہاں تنظیم و ترتیب موجود نہیں ہے۔ علمِ جہاد بلند کرنے والی تحریکوں اور جماعتوں کے ہاں بد نظمی کے مظاہرے ہم آئے روز دیکھتے ہیں۔ کشمیر کی آزادی کی تحریکیں ہوں، افغانستان کی جہادی تنظیمیں ہوں یا پاکستان کی مذہبی جماعتیں، غیر منظم اور باہم دست و گریباں نظر آتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے پیغام کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جہادی تحریکوں کو پورے شعور اور ذمہ داری کے ساتھ نظم و ترتیب کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس ضمن میں ہمارے نزدیک ان باتوں کا لحاظ لازم ہے:

ایک یہ بات کہ انھیں اس امر کا پورا شعور ہونا چاہیے کہ جس فریضۂ جہاد کو ادا کرنے کے لیے وہ نکل کھڑے ہوئے ہیں، وہ فریضہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد بھی کیا ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ دین کی سربلندی کے لیے کی جانے والی ان کی جدوجہد دین کی رسوائی کا باعث بن رہی ہے؟ پھر انھیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جن مقاصد کے حصول کے لیے وہ علمِ جہاد بلند کر رہے ہیں، کیا دین ان معاملات میں تلوار اٹھانے کی اجازت دیتا بھی ہے یا نہیں؟

دوسری یہ بات کہ انھیں اس کا پورا ادراک ہونا چاہیے کہ وہ قوت و استعداد جو جہاد کے لیے ناگزیر ہے، انھوں نے کس حد تک بہم پہنچائی ہے؟ کیا وہ قرآن کی ہدایت کی روشنی میں، جیشِ مخالف کے مقابلے میں، کم سے

کم دو نسبت ایک سے جنگی استعدادِ کار رکھتے ہیں؟اور کیا انھوں نے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ ان کا کوئی اقدام مسلمانوں کی خودکشی پر منتج نہ ہو گا؟

تیسری یہ بات کہ انھیں اس بارے میں بھی اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ ان کے کسی طرزِ عمل سے کوئی اخلاقی قدر تو پامال نہیں ہو رہی۔ کیا وہ جھوٹ اور دھوکا دہی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ کیا نہتے انسانوں کی جانیں ان سے محفوظ ہیں؟ کیا غیر مسلموں کی عبادت گاہیں ان کی تاخت کا ہدف تو نہیں؟ کیا وہ ظلم کا جواب ظلم ہی سے تو نہیں دے رہے؟ان سب سوالوں کے تسلی بخش جواب ان کے پاس ہونے چاہییں۔

چوتھی یہ بات کہ وہ اس امر کا بھی جائزہ لیں کہ انھوں نے اپنے تنظیمی معاملات کو شورائیت پر استوار کیا ہے یا نہیں؟ان کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں یا کسی مخصوص فرد یا گروہ کی خواہشات کی بنیاد پر؟

پانچویں یہ بات کہ وہ اس پر غور کریں کہ اگر وہ کسی ایک خطۂ ارضی میں مقیم ہیں، ایک جیسے نظریات کے حامل ہیں اور ایک ہی نوعیت کے اہداف و مقاصد اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں، تو وہ ایک قیادت کے تحت کیوں مجتمع نہیں ہیں؟ انھیں فکر مند ہونا چاہیے کہ اگر وہ ایک قیادت کے تحت منظم نہیں ہوں گے تو اول تو منزل کا حصول ہی ناممکن ہو گا، لیکن اگر حسنِ اتفاق سے منزل کا دامن ہاتھ آ بھی گیا تو مختلف قیادتوں کی باہمی رقابتیں اور رنجشیں اسے تار تار کر کے رکھ دیں گی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دوسرا اہم نکتہ جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ جہادی تحریکیں پر امن اور غیر مسلح جہاد کریں۔ جہادی تحریکیں اگر اس نصیحت پر عمل پیرا ہونا چاہیں تو ہمارے نزدیک انھیں ان امور کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا:

ایک یہ کہ وہ رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے دعوت و اصلاح کا طریقہ اختیار کریں۔ دھونس اور زبردستی کے ہر اسلوب سے گریز کریں۔ اس معاملے میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ اپنے کارکنان میں انسانی جان کی حرمت کا صحیح شعور اجاگر کریں۔ وہ اپنے پیرو کاروں کو بتائیں کہ پروردگارِ عالم کے قانون میں شرک کے بعد سب سے بڑا جرم انسان کا ناحق قتل ہے۔ قرآن نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے اور اس معاملے میں مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تفریق روا نہیں رکھی۔ یہ ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس جرم کے مرتکب کے لیے ابدی جہنم کی سزا ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ اپنے پیرووں کی یہ تربیت کریں کہ وہ قانون شکن نہیں، بلکہ قانون کی پاس داری کرنے والے ہوں۔ قانون خواہ اپنے دین کا ہو، اپنی سر زمین کا ہو یا اقوامِ عالم کا، وہ کسی حال میں بھی اس کی خلاف ورزی کرنے والے نہ ہوں۔ ان پر یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ شریعت کی رو سے قانون کے نفاذ کا اختیار صرف اور صرف مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی منکر کے بارے میں حکومت کو توجہ دلا سکتے ہیں، اصلاح کے لیے تجاویز پیش کر سکتے ہیں، جائز طریقوں سے اس کے خلاف رائے عامہ ہموار کر سکتے ہیں، مگر خود قانون کو نافذ کرنے کی سعی نہیں کر سکتے۔ وہ چور کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتے، وہ زانی پر کوڑے نہیں برسا سکتے، وہ قاتل کی گردن نہیں مار سکتے، وہ دشمن ملک سے جنگ کا آغاز نہیں کر سکتے، وہ جہاد و قتال کے لیے سر گرمِ عمل نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ شریعت کی رو سے فساد فی الارض کے مرتکب ہوں گے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی کے بھی مجرم ہوں گے اور پروردگارِ عالم کے بھی مجرم ہوں گے۔

چوتھے یہ کہ وہ حکومتوں کے ساتھ محاذ آرائی کا رویہ اختیار نہ کریں۔ حکومتوں کے ساتھ محاذ آرائی کا رویہ ان کے کارکنان کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور ان کے مقاصد میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اربابِ اقتدار کی اصلاح کا صحیح راستہ تذکیر و نصیحت ہے۔ کتاب، اخبار، جریدہ، ریڈیو، ٹی وی غرض ہر ذریعۂ ابلاغ کو اختیار کر کے انھیں اپنی رائے کا قائل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پانچویں یہ کہ وہ توڑ پھوڑ، بدامنی اور بے ہنگم احتجاج سے احتراز کریں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا اسوہ ہمیشہ ان کے سامنے رہنا چاہیے۔ حضور کی جدوجہد کی پوری تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں تخریب یا بدامنی کا کوئی شائبہ نظر آتا ہو۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ دونوں باتیں مبنی بر حق ہونے کے اعتبار سے اتنی واضح ہیں کہ اپنی تاثیر کے لیے کسی تائید کی محتاج نہیں ہیں، لیکن اس خیال سے کہ حقیقت ناشناسوں کی اس دنیا میں ان کی یہ صدائے حق، صدا بہ صحرا نہ ہو جائے، ہم نے بھی اپنی آواز ان کی آواز میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

—— منظور الحسن

جمہوریت اور اصلاحِ معاشرہ

روزنامہ ''اساس'' راولپنڈی نے ''جمہوریت اور قومی ادارے'' کے موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا، جس میں خطاب کرتے ہوئے وزیرِ اطلاعات و فروغِ ابلاغ اور سیاسی امور میں چیف ایگزیکٹو کے مشیر جاوید جبار صاحب نے کہا:

''جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں۔ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمہوریت کے سب سے بڑے قائد تھے۔ وہ اللہ کے نبی تھے وہ چاہتے تو من مانی کر سکتے تھے، لیکن ہمارے سامنے ایسے کئی واقعات ہیں کہ انھوں نے مشاورت کی اور لوگوں کی رائے کا احترام کیا، لوگوں کی بری بات سن کر ان کو معاف کیا۔ جاوید جبار نے کہا کہ دراصل جمہوریت پارلیمنٹ ہاس سے نہیں بلکہ گھر سے شروع ہوتی ہے۔''

اسی تقریب میں سابق وزیرِ خارجہ سرتاج عزیز صاحب نے کہا:

''جمہوریت کو آپ اسلام سے بالکل علیحدہ نہیں کر سکتے۔''

روزنامہ ''پاکستان'' کے ایڈیٹر انچیف اور نامور صحافی جناب مجیب الرحمان شامی نے کہا:

''پاکستان کی منزل اسلام ہے اور جمہوریت ایک ذریعہ ہے انھوں نے کہا کہ جمہوریت ایل سی (L.C) کھول کر درآمد کی جانے والی چیز نہیں ہے، بلکہ دنیا میں جمہوریت کا علاج مزید جمہوریت سے ہی کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ معاشرے آہستہ آہستہ چلنے سے تبدیل ہوتے ہیں اور ایک دن میں معاشرے تبدیل نہیں ہوتے۔'' (اساس ۷ ۲ جولائی ۲۰۰۰)

یہ تینوں حضرات دین و شریعت کا علم رکھنے کے معاملے میں کوئی تاثر یا تعارف نہیں رکھتے۔ ان کا اصل میدان دینی علم نہیں ہے۔ جاوید جبار صاحب تو ایک فوجی حکومت کے وزیر اور مشیر ہیں مگر یہ بات خوش گوار حیرت کا باعث ہے کہ اسلام اور جمہوریت اور معاشرے کی تدریج سے اصلاح کی جو باتیں ان حضرات نے کی ہیں، وہ دین و شریعت کے عین مطابق ہیں۔

اور یہ بات ناگوار حیرت کا باعث ہے کہ بہت سے مذہبی علما اور مذہبی جماعتوں کے قائد، اسلام اور جمہوریت

اور معاشرے کی اصلاح کے معاملات میں دین و شریعت کے بالکل منافی فکر اور رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ جمہوریت کو اسلام کے منافی قرار دیتے ہیں اور چند دنوں میں شریعت نافذ کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ بعض حضرات تو چند دنوں کی ڈیڈ لائن دے کر حکومت کو الٹی میٹم دے دیتے ہیں کہ اگر ان دنوں میں شریعت نافذ نہ کی تو ہم حکومت کے خلاف تحریک چلا دیں گے۔ اسی طرح بعض حضرات راستے بلاک کر کے حکومت کو شریعت نافذ کرنے پر مجبور کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور بعض لوگ جہاد و قتال کے ذریعے سے ''اسلامی انقلاب'' برپا کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔

پچھلے دنوں مکہ ریڈیو نے بزرگ صحافی جناب ارشاد احمد حقانی کا انٹرویو لیا، اس میں حقانی صاحب سے سوال کیا گیا:

''ہمارے ہاں بڑا مذہبی عنصر ہے جو فوج کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا؟''

اس پر حقانی صاحب نے کہا:

''معاف کریں آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ ہمارے اکثر مذہبی عناصر تو فوج کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ یحییٰ خان اور ضیا الحق کے زمانے میں ان کے سب سے زیادہ قریب تو جماعتِ اسلامی تھی جو ملک کی ایک بڑی جماعت ہے۔ اسے اس زمانے میں مارشل لا کی بی ٹیم کہا جاتا تھا۔..... مذہبی جماعتیں مارشل لا کے خلاف نہیں ہیں وہ تو بائیں بازو کی قوتیں ہوتی ہیں یا عوامی قوتیں ہوتی ہیں جو مارشل لا کے خلاف ہوتی ہیں ..... اگر آیندہ بھی کبھی مارشل لا آئے گا تو سب مذہبی جماعتیں اس کی مخالفت میرے خیال میں نہیں کریں گی۔ کچھ مذہبی حلقے شاید مخالفت کریں لیکن میں اس بات کا امکان بہت کم دیکھتا ہوں۔'' (جنگ ۲۹ جولائی ۲۰۰۰)

حالانکہ ''جمہوریت'' کے حوالے سے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک اسلوب میں فرمایا ہے:

''مسلمانون کا نظام ان کے باہمی مشورے کی بنیاد سے چلتا ہے۔'' (الشوریٰ ۴۲: ۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔''

(ترمذی، کتاب الجہاد)

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہر معاملے میں عملی طور پر تمام مسلمانوں سے مشورہ لینا ناممکن ہے، مگر اس مسئلے کا حل ناممکن نہیں ہے۔ اس صورتِ حال میں مختلف طبقات کے نمائندہ افراد سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اصل میں یہ مسئلہ دینی نہیں، تمدنی ہے۔ اس مسئلے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمدن کے مطابق حل بھی کیا۔ بخاری میں ہے:

"مسلمانوں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا: میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی، پس تم جاؤ اور اپنے لیڈروں کو بھیجو، تاکہ وہ تمھاری رائے سے ہمیں آگاہ کریں۔" (کتاب الاحکام)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاے راشدین نے بھی اسی طرح مجلسِ شوریٰ کے اجلاس منعقد کیے۔ قاضی ابو یوسف عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی ایک مجلسِ شوریٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لوگوں نے کہا: تو پھر آپ باقاعدہ مشورہ کیجیے۔ اس پر آپ نے مہاجرینِ اولین سے مشورہ کیا تو ان کی رایوں میں بھی اختلاف تھا۔ عبد الرحمٰن بن عوف کی رائے تھی کہ ان لوگوں کے حقوق انھی میں تقسیم کر دینے چاہییں اور عثمان، علی، طلحہ اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہم عمر رضی اللہ عنہ سے متفق تھے، پھر آپ نے انصار میں سے دس افراد کو بلایا: پانچ اوس کے اکابر و اشراف میں سے اور پانچ خزرج کے اکابر و اشراف میں سے۔"

(کتاب الخراج، فصل فی الفیئ والخراج)

اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب مشورہ لیا جائے گا تو لوگ ایک دوسرے سے اختلاف بھی کریں گے۔ اس صورتِ حال میں کیا کیا جائے؟ اس معاملے میں بھی دین نے ہدایت کر رکھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"الجماعۃ (یعنی مسلمانوں کی ریاست) پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ جب کوئی اس سے الگ ہوتا ہے تو اسے شیاطین اچک لے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے جب تم لوگ کوئی بڑا اختلاف دیکھو، تو (عمل کے معاملے میں) اکثریتی گروہ کی پیروی کرو۔ کیونکہ جو الجماعۃ سے الگ ہوا، اسے الگ کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

(المستدرک، کتاب العلم)

اسی مضمون کی ایک اور روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم اختلافات دیکھو تو اکثریت کی رائے کی پیروی کرو۔" (ابنِ ماجہ کتاب الفتن)

ظاہر ہے اختلافات کے باوجود نظام تو چلانا ہے، نظام تو بند نہیں کیا جا سکتا، کاروبارِ زندگی تو معطل نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اس مسئلے کا اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ اکثریت کی بات پر عمل شروع کر دیا جائے۔ اس میں یہ

ہو سکتا ہے کہ کبھی اکثریت کی بات صحیح نہ ہو مگر اجتماعی شعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ معاملات بہر حال اسی بات کے مطابق چلانا ہوں گے۔ البتہ دوسری رائے رکھنے والے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ دلیل اور تہذیب سے دوسروں کو قائل کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اکثریت کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان کا خیال آپ سے آپ قانون بن جائے گا۔

حیرت ہے کہ لوگ اس طرح کی ''جمہوریت'' رکھنے والے اسلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسلام کا جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ جمہوریت کے خلاف بولنا دراصل اسلام کے خلاف بولنا ہے۔ جمہوریت کے خلاف بولنا اللہ اور رسول کے خلاف بولنا ہے۔ اسی طرح کوئی ایسا شخص یا گروہ جو مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اقتدار حاصل کر لے اور مسلمانوں کی مشاورت کے بغیر اپنی ذاتی آرا کے مطابق ملکی معامت چلانا اور بڑے بڑے فیصلے کرنا شروع کر دے تو وہ نہ صرف یہ کہ جمہوریت کے منافی طرزِ عمل اختیار کرتا ہے بلکہ اسلام کے خلاف، اللہ کے خلاف اور رسول کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔ وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جس پر اسے قیامت کے دن خدائی گرفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

شامی صاحب کی یہ بات بڑی دانائی پر مبنی ہے کہ ''دنیا میں جمہوریت کا علاج مزید جمہوریت ہی سے کیا گیا ہے۔'' اور یہ کہ ''معاشرے آہستہ آہستہ چلنے سے تبدیل ہوتے ہیں، ایک دن میں معاشرے تبدیل نہیں ہوتے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی، جنھیں عالم کے پروردگار کی قوت اور رہنمائی میسر تھی، تدریج ہی سے عرب معاشرے کو تبدیل کیا۔ شراب، سود اور غلامی کے مسئلے پر غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے ان چیزوں کی ممانعت فوری طور پر نہیں کی گئی بلکہ بڑی حکیمانہ تدریج اختیار کر کے انھیں معاشرے سے ختم کیا گیا۔

آج جو لوگ بہت دین دار ہیں۔ آج جو لوگ دینی تقاضے پورے کرنے کے معاملے میں بہت سر گرم ہیں۔ آج جو لوگ غلبۂ دین کے لیے جانی مالی غرض ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں وہ اپنے آپ پر غور کریں۔ کیا وہ یکایک دین دار بن گئے تھے؟ کیا وہ فوراً انقلابی بن گئے تھے؟ کیا وہ چند دنوں میں نمازی بن گئے تھے؟

یقیناً انھوں نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بڑا سفر طے کیا ہوا گا۔ بڑے مراحل سے خود کو گزارا ہو گا۔ دین کے چند ایک تقاضوں کی تکمیل سے آغاز کیا ہو گا۔ پھر آہستہ آہستہ سب تقاضوں کو پورا کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہو گا۔ آغاز ایک دو نمازوں سے ہی کیا ہو گا۔ پھر آہستہ آہستہ ہی سب نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کیا ہو گا۔

بلاشبہ ہمارے جمہوری ادوار میں سیاست دان بہت سی حماقتوں، جہالتوں اور ضلالتوں کا ارتکاب کرتے ہیں مگر ان ''امراض'' کے اسباب اصل میں معاشرے کے اندر پائے جاتے ہیں۔ یہ معاشرے ہی کی حماقتیں، جہالتیں اور ضلالتیں ہوتی ہیں جو انتخابات میں منتخب شدہ لوگوں کے رویوں سے منعکس ہوتی ہیں۔ حال ہی میں مصنفہ بشریٰ رحمٰن صاحبہ نے بڑی حکیمانہ بات کی۔ انھوں نے پاکستان کی بے قاعدہ ٹریفک کے حوالے سے کہا:

''کسی بھی ملک کی اگر ٹریفک ٹھیک ہو تو سیاست بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔'' (جنگ ۲۹ جولائی ۲۰۰۰)

جاوید جبار صاحب کی یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ: ''دراصل جمہوریت پارلیمنٹ ہاس سے نہیں بلکہ گھر سے شروع ہوتی ہے۔'' بلاشبہ ہمارے گھروں کا ماحول ہی جمہوری نہیں ہوتا۔ ماں باپ اپنی بالغ اولاد اور بڑے بھائی چھوٹے بالغ بھائیوں کو اپنی رائے قائم کرنے اور اس کا اظہار کرنے کی آزادی نہیں دیتے۔ ساس اور نندیں اپنی بہو اور بھابی کو یہ حق دینے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اس صورتِ حال میں ہمارے ہاں جب جمہوریت قائم ہوتی ہے تو جمہوری حکومتیں بھی غیر جمہوری رویے اختیار کر ڈالتی ہیں۔ اسی طرح بعض برے کردار کے حامل سیاست دان معاشرے کو کسی طرح دھوکا دے کر انتخابات میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں اور اقتدار کی طاقت استعمال کر کے قانونی اور اخلاقی حدود پامال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ مسائل موجود ہیں، مگر ان مسائل کا یہ حل نہیں ہے کہ آمرانہ طریقوں سے جمہوری عمل کو روک دیا جائے اور آمرانہ انداز میں اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان مسائل کا ایک حل یہ ہے کہ جمہوری عمل جاری رہے۔ بالفاظ دیگر اسلام پر عمل جاری رہے۔ جب بار بار انتخابات ہوں گے تو برے لوگ آپ سے آپ بے نقاب ہونا شروع ہو جائیں گے اور وہ ایک دن اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ معاشرے کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ کیا جائے۔ نظام کی تبدیلی، نظام کی تبدیلی، نظام کی تبدیلی پر اصرار کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ حتیٰ کہ فی الحقیقت نظام کی تبدیلی سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، اس لیے کہ جس شخص کا نفس آلودہ ہے، وہ ہر قسم کے نظام میں اپنی ''آلودگی'' کا اظہار کرتا رہے گا اور ''آلودگی'' پھیلاتا رہے گا اور جس شخص کا نفس پاک ہے وہ برے نظام میں بھی ''پاکیزگی'' کا اظہار کرتا رہے گا اور ''پاکیزگی'' کو عام کرتا رہے گا لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ''نظام'' اور ''قانون'' کی تبدیلی کو ہدف بنانے کے بجائے لوگوں کے ''دلوں'' کی تبدیلی کو ہدف بنایا جائے۔ سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اس ضمن میں کیا نکتے کی باتیں کی ہیں۔ کہتے ہیں:

”جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی، باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔ ..... پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغا بازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہو گئی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے اور وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کر رہا ہے۔ پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہو گیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہو گیا ہے، اس لیے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے من کو مانجھا جائے۔..... پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا..... پیغمبر دلوں میں انجیکشن لگاتے ہیں، لوگ باہر کی ٹیپ ٹاپ کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جا رہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جا رہا ہے، لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں، درخت کے اندر کی سرسبزی اور اس کی نشوونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہو چلی ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں (Gases) پہنچائی جا رہی ہیں، پانی چھڑکا جا رہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی، انھوں نے اسے ایمانی انجیکشن دیا۔“ (تعمیرِ انسانیت، ص ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۴)

امید ہے غیر جمہوری رویے اختیار کرنے اور معاشرے کی اصلاح کے معاملے میں نامناسب طریقے اپنانے والے دین و شریعت کی روشنی میں اپنے افکار پر نظرِ ثانی فرمائیں گے۔

——محمد بلال

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۲۱)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۰۸﴾

(اِن کی پیروی میں، ایمان والو) کیا تم بھی اپنے رسول سے اسی طرح کی باتیں پوچھنی چاہتے ہو، جس طرح کی باتیں اس سے پہلے موسیٰ سے پوچھی گئی تھیں[۲۶۵]؟ (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایمان کا طریقہ نہیں ہے) اور (معلوم ہونا چاہیے کہ) جس نے ایمان کو کفر میں بدلا، وہ پھر سیدھی راہ سے بھٹک گیا[۲۶۶]۔ ۱۰۸

۲۶۵۔ اصل میں لفظ 'سؤال' استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ کئی معنوں میں آتا ہے یہاں موقعِ کلام دلیل ہے کہ یہ معترضانہ سوال کے مفہوم میں ہے۔

۲۶۶۔ اس سے اوپر والی آیت میں جس طرح یہود کو تنبیہ کی گئی ہے، اسی طرح یہ مسلمانوں میں اُن کی نمائندگی کرنے والوں کو تنبیہ ہے، لیکن ان سوالات کے پسِ پردہ بھی چونکہ یہود ہی کا ذہن کارفرما تھا، اس وجہ

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

بہت سے اہلِ کتاب محض اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمھارے ایمان کے بعد وہ پھر تمھیں کفر کی طرف پلٹا دیں، اس کے باوجود کہ حق ان پر اچھی طرح واضح ہو چکا ہے۔ سو (ان سے) درگزر کرو[267] اور نظر انداز کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے[268]۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور (ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے) نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو[269]، اور (یاد رکھو کہ) جو نیکی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اسے تم اللہ کے ہاں پالو گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ۱۰۹-۱۱۰

سے قرآن نے یہ کہہ کر کہ اس طرح کی باتیں اس سے پہلے موسیٰ سے پوچھی گئیں، بڑی بلاغت کے ساتھ انھیں بھی توجہ دلا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں اور وسوسہ اندازیوں سے بے خبر نہیں ہے۔

۲۶۷۔ اصل میں لفظ 'عفو' استعمال ہوا ہے۔ یہ جس طرح دل سے معاف کر دینے کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح درگزر کرنے، چشم پوشی کرنے اور نظر انداز کر دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس معنی کی نظیر سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۱۵ میں دیکھ لی جا سکتی ہے۔

۲۶۸۔ یہی فیصلہ ہے جو سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۲۹ کے مطابق یہود پر اتمامِ حجت کے بعد ان سے جزیہ لینے اور انھیں مسلمانوں کا زیر دست بنا کر رکھنے کی صورت میں صادر ہوا۔

۲۶۹۔ تمام دین کی بنیاد اور تمام اصلاح و تربیت کی اساس، قرآن کی رو سے یہ نماز اور زکوٰۃ ہی ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے سب مواقع پر وہ معاندینِ اسلام کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بالعموم انھی کی تاکید کرتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ

اور (یہی نہیں)، وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، جب تک وہ یہودی یا نصرانی نہ ہو[۲۷۰]۔ یہ اِنھوں نے محض آرزوئیں باندھ لی ہیں۔ اِن سے کہو، تم سچے ہو تو (اِس کے لیے) اپنی کوئی دلیل پیش کرو۔ (اِن کی اِس بات میں کوئی حقیقت نہیں)۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ اپنی ہستی جن لوگوں نے اللہ کے سپرد کر دی[۲۷۱] اور وہ اچھی طرح سے عمل کرنے والے ہیں[۲۷۲]، اُن کے لیے ان کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں محفوظ ہے، اور اُنھیں (وہاں) کوئی اندیشہ ہو گا اور نہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۷۰۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی مخالفت میں یہود و نصاریٰ، دونوں ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں اور دونوں نے مل کر جس طرح نسخ کا اعتراض مسلمانوں کے دل میں شک اور تردد پیدا کرنے کے لیے اٹھایا ہے، اسی طرح وہ یہ پروپیگنڈا بھی کر رہے ہیں کہ نجات کے لیے آدمی کو یہودیت اور نصرانیت میں سے کسی ایک کا انتخاب لازماً کرنا چاہیے۔ ان کے خدائی دین ہونے سے جب قرآن کو بھی انکار نہیں ہے تو ان کے ہوتے ہوئے کسی نئے دین کی کیا ضرورت ہے؟ یہ نئی دعوت تو محض ایک فتنہ ہے جو اس کے علم برداروں نے ہماری اس سرزمین میں پیدا کر دیا ہے۔

۲۷۱۔ یعنی اپنی پوری زندگی کو خدا کی شریعت کے تابع کر دیا۔

۲۷۲۔ اصل میں لفظ 'محسن' استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی کسی کام کو اس کے بہترین طریقے پر کرنے کے ہیں۔ دین میں جب کوئی عمل اس طرح کیا جائے کہ اس کی روح اور قالب پورے توازن کے ساتھ پیشِ نظر ہوں، اس کا ہر جزبہ تمام و کمال ملحوظ رہے تو اسے 'احسان' کہا جاتا ہے۔ لفظ 'محسن' اسی 'احسان' سے بنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی جب اس احساس کے ساتھ کی جائے گویا ہم اُسے دیکھ رہے ہیں تو یہ 'احسان' ہے۔ (مسلم، رقم ۱)

الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ج فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

وہ کبھی غم زدہ ہوں گے[۲۷۳]۔ اور (تمھارے خلاف اِس گٹھ جوڑ سے الگ، اے پیغمبر، ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ[۲۷۴]) یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی بنیاد نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی بنیاد نہیں، دراں حالیکہ دونوں کتابِ الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔ اِسی طرح[۲۷۵] بالکل انھی کی سی بات اُن لوگوں نے بھی کہی جو (خدا کی کتاب کا کوئی) علم نہیں رکھتے[۲۷۶]۔ چنانچہ اب اللہ قیامت کے دن ہی اس معاملے کا فیصلہ کرے گا جس میں یہ جھگڑ رہے ہیں[۲۷۷]۔ ۱۱۱-۱۱۳

۲۷۳۔ یعنی یہودی اور نصرانی نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو جنت کے مستحق قرار پائیں گے۔

۲۷۴۔ مطلب یہ ہے کہ تمھاری مخالفت کے لیے تو یہ بے شک، ایک دوسرے کو بڑی فیاضی کے ساتھ جنتی قرار دے رہے ہیں، لیکن اس سے الگ ان کی باہمی تکفیر و تفسیق کی حالت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی کوئی جڑ بنیاد تسلیم نہیں کرتے۔

۲۷۵۔ یعنی اس نیت کے ساتھ اور انھی محرکات کے تحت جو یہود کے اس طرح کی بات کہنے کا باعث بنے ہیں۔

۲۷۶۔ اس سے مراد مشرکینِ عرب ہیں۔ یہ چونکہ صدیوں سے کتاب اور نبوت دونوں سے ناآشنا تھے، اس لیے ان کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔

۲۷۷۔ اس میں اگر غور کیجیے تو مخاطبین کے لیے وعید کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تسلی بھی ہے کہ تم اس نزاع میں صرف حق پہنچا دینے ہی کے ذمہ دار ہو۔ اس سے زیادہ تمھارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

طالب محسن

یہودی سائل

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۵۸-۶۰)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عن صفوان بن عسال رضی اللّٰہ عنه قال: قال یهودی لصاحبه: اذهب بنا إلی هذا النبی (صلی اللّٰہ علیه وسلم). فقال له صاحبه: لاتقل: نبی، إنه لو سمعک لکان له أربع أعین. فأتیا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم. فسألاه عن (تسع) آیات بینات. فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تشرکوا باللّٰہ شیئا، ولا تسرقوا، و لا تزنوا، و لا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰہ إلا بالحق. و لا تمشوا ببریئ إلی ذی سلطان لیقتله، و لا تسحروا، ولا تأکلوا الربا، و لا تقذفوا محصنة، و لا تولوا یوم الزحف ، و علیکم خاصة. الیهود. أن لا تعتدوا فی السبت. قال: فقبلا یدیه و رجلیه. و قالا: نشهد أنک نبی. قال: فما یمنعکم أن تتبعونی؟ قالا: إن داؤد علیه السلام دعا ربه أن لا یزال من ذریته نبی. و إنا نخاف إن تبعناک أن تقتلنا الیهود.

''صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: میرے ساتھ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلو۔ اس کے ساتھی نے اس سے کہا: نبی نہ کہو۔ اگر انھوں نے سن لیا تو ان کی مسرت کا ٹھکانا نہ ہو گا[1]۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے (نو) آیات کے بارے میں دریافت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو زنا نہ کرو، اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے الا یہ کہ (شریعت کے دیے ہوئے) حق کے تحت (اسے قتل کیا جا رہا ہو)، کسی بے گناہ کو صاحبِ اقتدار کے پاس قتل کے لیے نہ لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ، گھمسان لڑائی سے راہِ فرار نہ ڈھونڈو، اور اے یہود! تمھارے لیے خاص بات یہ ہے کہ سبت کے معاملے میں تجاوز نہ کرو۔ آپ کی بات سن کر ان دونوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہا ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ آپ نے پوچھا: پھر تمھیں میری اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے۔ دونوں نے جواب دیا: داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ میری اولاد سے ہو۔ (مزید یہ کہ) ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی کی تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔''

لغوی مباحث

آیات: 'آیۃ' کی جمع۔ اس کا مطلب وہ نشانی ہے، جس سے کسی اور بات تک پہنچا جا سکے۔ اسی سے یہ لفظ معجزات کے لیے بھی آتا ہے اور قرآنِ مجید کی آیات کے لیے بھی۔

سلطان: یہ لفظ دلیل، فیصلہ کن امر، اور اختیار و اقتدار کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں یہ آخری معنی میں استعمال ہوا ہے۔

الربا: وہ متعین اضافہ جس سے قرض کی واپسی مشروط کی جائے۔

السبت: ہفتے کا دن، یہ دن یہود کے ہاں عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں ان کو کام کاج اور سیر و

۱۔ یہاں عربی کے الفاظ کا مطلب ہے ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی۔ یہ آنکھوں سے مسرت کے ظاہر ہونے کی تعبیر ہے۔

شکار وغیرہ کی ممانعت ہے۔

متون

اوپر درج روایت میں 'تسع' کا لفظ قوسین میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ مشکوٰۃ کے سامنے جو متن ہے اس میں یہ لفظ موجود نہیں تھا۔ اور یہاں انھوں نے اسے دوسری روایت کی روشنی میں شامل کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ دونوں یہودیوں کا سوال سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 'ولقد آتینا موسی تسع آیات بینات' (۱۷:۱۰۱) کے حوالے سے تھا۔ یہ ساری بات ہی ناقابلِ قبول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کے باقی مضمون کا اس آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس آیت میں ان معجزات کا حوالہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کے مطالبے پر دیے گئے تھے۔ جبکہ اس روایت میں ان احکام کی تفصیل ہے جو یہود کو دیے گئے تھے۔ ظاہر ہے یہ بات مانی نہیں جا سکتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آیت کے بارے میں پوچھا جائے اور آپ اس کا جواب آیت کے مضمون کے برعکس دیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ اسی سورہ میں ان احکام کا بھی حوالہ ہے جو بنی اسرائیل کو دیے گئے تھے اور وہ نو نہیں دس تھے۔ ان احکامِ عشرہ اور ان نو احکام میں بھی بہت سی باتیں مختلف ہیں۔ اس سے بھی واضح ہے کہ راوی کا یہ اضافہ درست نہیں ہے۔ یہ روایت راویوں کے سوءِ فہم سے روایت میں پیدا ہونے والے خلطِ مبحث کا کامل نمونہ ہے۔

دوسری لمبی روایات کی طرح اس روایت کے متون بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض روایات میں اس روایات کے آخری سوال وجواب نہیں ہیں اور بعض میں ہاتھ چومنے کا واقعہ مذکور نہیں ہے۔ باقی فرق لفظی ہیں۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف روایت ہے۔ متن کے اعتبار سے اس کا ضعف اوپر تفصیل سے زیرِ بحث آ چکا ہے۔

معنی

اوپر متون کی بحث میں ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اس روایت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی نو نشانیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی بیان ہو گئی ہے کہ احکامِ عشرہ سے بھی اس کے مضامین مختلف ہیں۔ احکامِ عشرہ میں والدین کی اطاعت کا ذکر ہے اور اس میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح اس روایت میں جادو اور سبت کا ذکر ہے جبکہ احکامِ عشرہ میں یہ دونوں مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ اس روایت میں بیان کی گئی اس ملاقات کی وجہ راوی کا اپنا اضافہ ہے۔ اگر روایت کے اس حصے کو قیاس سے متعین کریں تو یہی کہنا موزوں

محسوس ہوتا ہے کہ سوال شریعت موسوی کے اہم احکام سے متعلق تھا اور سوال کرنے والوں کے پیشِ نظر حضور کی آزمایش تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے صحیح جواب دے دیا تو انھوں نے آپ کے نبی ہونے کا اقرار کیا۔

اس روایت میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تمام کے تمام احکام ممنوعات سے متعلق ہیں۔ شریعت موسوی کے فرائض و واجبات کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے سوال صرف ممنوعات ہی کے بارے میں کیا گیا ہو۔

شرک، چوری، زنا، قتل، جادو، سود، تہمت اور میدانِ جنگ سے فرار یہ تمام امور سابقہ روایات سے زیرِ بحث آ چکے ہیں۔ سبت کا معاملہ یہود کا خصوصی مسئلہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے دن کو عبادت کے ساتھ خاص کرنے کے لیے خاص ضابطہ بنایا گیا تھا، جس سے انحراف کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ہمارا جمعہ اس کے مقابلے میں ایک آسان دن ہے اور نماز اور خطبے کے وقت کے سوا تمام دن کے لیے ہر کام کیا جا سکتا ہے۔

روایت کے آخر میں حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کو بطورِ عذر پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات سر تا سر حضرت داؤد علیہ السلام پر اتہام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی کتاب زبور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی واضح پیشین گویاں موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے مذکورہ مضمون کی حامل دعا کے وجود کا کوئی امکان نہیں۔

اس روایت میں ان یہودیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح پہچان لینے اور آپ کو غیر معمولی احترام دینے کا ذکر بھی ہوا ہے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی ایک مثال ہے جسے قرآنِ مجید میں 'الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبنائهم'، (وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی تھی اس پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔) کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کتابیات

ترمذی، کتاب الاستئذان والآداب، باب ۳۲۔ کتاب تفسیر القرآن، باب ۱۸۔ نسائی، کتاب تحریم الدم، باب ۲۹۔ ابنِ ماجہ، کتاب الادب، باب ۱۶۔ مسند احمد حدیث صفوان بن عسال المرادی۔

مسلمان کا حق اور جہاد

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

ثلاث من أصل الإيمان: الكف عمن قال: لا إله إلا الله، لا تكفره بذنب، و لا تخرجه من الاسلام بعمل. و الجهاد ماض مذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر هذه الأمة الدجال. لا يبطله جور جائر، و لا عدل عادل. و الإيمان بالأقدار.

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایمان کی اصل ہیں: (ایک) اس سے ہاتھ روک لینا، جس نے اقرار کر لیا کہ لا الٰہ الاّ اللّٰہ، (دوسرے) تم کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کرو، اور کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام (کے دائرے) سے نہ نکالو۔ (تیسرے) جہاد اس دن سے جاری ہے جس دن اللہ نے مجھے مبعوث کیا اس دن تک جب اس امت کے آخری لوگ دجال سے جہاد کریں گے۔ اس حقیقت کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل باطل نہیں کر سکتا۔ اور ایمان تقدیروں پر ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لغوی مباحث

لا تکفرہ: نہی کا صیغہ ہے۔ یعنی کافر قرار نہ دو۔

ماض: گزرنے والا، یہ 'مضی ،یمضی' سے اسمِ فاعل ہے۔ یہاں اس سے اس کا جاری ہونا مراد ہے۔

الدجال: 'دجل' سے 'فَعَّالٌ' کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ہی فریب کار۔ یہ آخری زمانے کے فتنے کی نوعیت کو واضح کرتا ہے۔

اقدار: 'قدر' کی جمع ہے۔ یہ لفظ احادیث میں بالعموم تقدیر کے معنی میں آتا ہے۔

متون

یہ روایت صرف ابوداؤد نے لی ہے۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے اسے ابوداؤد ہی سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا اس کے متن میں کسی تفاوت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

معنی

تین چیزیں ایمان کی اصل ہیں۔ یہ جملہ اس روایت میں ایمان کے اجزا کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ

ایمان کے بعض عملی تقاضوں کی اہمیت واضح کرنے کے لیے ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ کسی صاحبِ ایمان کو اپنے قول و فعل سے نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ وہی بات ہے جسے ایک روایت میں 'المسلم من سلم المسلمون من يده و لسانه، (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس کے کسی گناہ یا عمل کی پاداش میں دائرۂ اسلام سے خارج نہ کیا جائے۔ اس ہدایت کی اہمیت بھی پہلی ہدایت سے کم نہیں ہے۔ اس میں اگر اس کے جان و مال اور ناموس کے خلاف تعدی سے روکا گیا ہے تو اس میں اس کے ایمان کے خلاف تعدی کو ممنوع ٹھیرایا گیا ہے۔ جس طرح پہلا عمل ایذا رسانی ہے اسی طرح یہ عمل بھی باعثِ ایذا ہے، بلکہ اس کی ایذا پہلے کے مقابلے میں بڑھی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس میں کسی شخص کو ملت کے وجود سے کاٹ دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کے سماجی حقوق تلف ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اس بیٹے کی سی ہو جاتی ہے جسے اس کے باپ نے گھر سے نکال دیا ہو اور اس کے لیے اب کوئی ٹھکانا نہ ہو۔ اس جملے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کوئی گناہ یا عمل تکفیر کا موجب نہیں ہے۔

تیسری چیز جہاد ہے۔ جہاد کے بارے میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اس کا حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتمامِ حجت کے بعد کیے گئے جہاد اور اس مشن کی تکمیل سے یہ قیاس نہیں کیا جانا چاہیے کہ اب جہاد ختم ہو گیا ہے۔ اس جملے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی حیثیت کے تحت کیے گئے جہاد کی نوعیت صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح تھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کر دیا کہ جہاد صرف یہی ایک نوعیت نہیں ہے، بلکہ ظلم وعدوان کے خلاف اس امت کو ہمیشہ جہاد کے لیے تیار رہنا ہے۔ یہاں تک ظلم کا آخری مظہر دجال ظاہر ہو جائے۔

ایمان بالاقدار کے الفاظ میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خدا کو ایک فعال ہستی کی حیثیت سے ماننا لازم ہے۔ وہ ہر وقت معاملات کو دیکھتا اور اپنے فیصلے صادر کرتا رہتا ہے۔

کتابیات

ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب ۳۵۔

ایمان کا سایہ

و عن أبی هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: إذا زنی العبد خرج منه الإیمان. فکان فوق رأسه کالظلة. فإذا خرج من ذلک العمل رجع إلیه الإیمان.

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔ (اس دوران میں) وہ اس کے سر پر سائبان کی طرح رہتا ہے۔ پھر جب وہ اس عمل سے نکلتا ہے تو ایمان اس کے پاس واپس آ جاتا ہے۔“

لغوی مباحث

الظلة: چھوٹا سائبان۔

متون

اس روایت کے متون کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ البتہ ترمذی کی یہ تصریح قابل ملاحظہ ہے کہ ایک روایت میں 'خرج منه الایمان' کے بجائے 'خرج من الایمان الی الاسلام' کا جملہ آیا ہے۔ یہ جملہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بات کہنا پیش نظر ہے وہ ایمان سے عارضی محرومی ہے۔ ایمان سے اسلام کی طرف سفر سے یہ معنی ادا نہیں ہوتے، بلکہ یہ جملہ اس سیاق وسباق میں بے معنی معلوم ہوتا ہے۔

ایک روایت میں 'فکان فوق رأسه کالظلة' کی جگہ 'کان علیه کالظلة' ہے، 'فإذا خرج من ذلک العمل' کے بدلے میں 'فإذا انقطع' اور 'رجع' کے بجائے 'عاد' آیا ہے۔ یہ فرق واضح کر دیتے ہیں کہ صاحبِ مشکوٰۃ کا اختیار کردہ متن ہی سب سے بہتر ہے۔

معنی

یہ وہی مضمون ہے جو حدیث ۵۳ اور ۵۴ میں بیان ہوا ہے۔ وہاں ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ گناہ ایمان کو وقتی طور پر فراموش کر دینے کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو ان روایات میں ایمان کے نکلنے اور واپس آنے کے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے اور اس روایت میں اسی کے لیے چھاتے کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

کتابیات

ترمذی، کتاب الایمان، باب ۱۰۔ ابوداؤد، کتاب السنة، باب ۱۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میزان

جاوید احمد غامدی

رسوم و آداب

(۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۸۔ عید الفطر، ۱۹۔ عید الاضحیٰ

یہ دونوں تہوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ اسلام سے پہلے یوم السبع، یوم السباسب اور اس طرح کی بعض دوسری عیدوں کا ذکر مشرکینِ عرب کی روایات میں ملتا ہے۔ بنی اسرائیل کی شریعت میں بھی عید کے ایام تھے، لیکن تورات اور دوسرے صحیفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق زیادہ تر ان کی تاریخ کے اہم واقعات سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت بنی آدم کو دی تو عید کے یہ دو تہوار ٹھیرائے اور دونوں کو اسلام اور تقویٰ کے دو عظیم مظاہر سے متعلق کر دیا۔ عید الفطر ہر سال رمضان کے اختتام پر شوال کی پہلی تاریخ کو روزوں کی عبادت کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بعد اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذوالحجہ کے دن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں تہوار ہجرت کے بعد مدینہ میں مقرر کیے گئے۔ سیدنا انس کا بیان ہے:

قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة ولھم یومان یلعبون فیھما، فقال: ما ھذان الیومان؟ قالوا: کنا نلعب فیھما فی الجاھلیة، فقال

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں لوگوں نے دو دن مقرر کر رکھے تھے جن میں وہ کھیل کود سے دل بہلاتے تھے۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا دن ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ جاہلیت میں یہ

رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: قد ابدلکم اللّٰه بهما خیراً منهما یوم الاضحٰی ویوم الفطر. (ابوداؤد، رقم ۱۱۳۴)

ہمارے کھیل تماشے کے دن رہے ہیں۔ حضور نے اس پر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ تمھارے لیے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیے ہیں: عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر۔''

ان میں جو اعمال سنت کے طور پر جاری کیے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ صدقۂ فطر

۲۔ نماز اور خطبہ

۳۔ ایام تشریق میں ہر نماز کے بعد تکبیریں۔

صدقۂ فطر رمضان کے اختتام پر نمازِ عید سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ ایک فرد کے لیے صبح و شام کا کھانا ہے جو چھوٹے بڑے ہر شخص کے لیے دینا لازم کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسے بالعموم اناج کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کی مقدار ایک صاع، یعنی کم و بیش ڈھائی کلو گرام مقرر کر دی تھی:

فرض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم زکاة الفطر صاعاً من تمر اوصاعاً من شعیر، علی العبد والحر الذکر والانثیٰ والصغیر والکبیر من المسلمین وامربها ان تودی قبل روج الناس الی الصلوٰة. (بخاری، رقم ۱۵۰۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ہر مسلمان پر لازم ٹھیرایا ہے۔ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر فرد کے لیے، غلام ہو یا آزاد: مرد ہو یا عورت: چھوٹا ہو یا بڑا اور حکم دیا کہ یہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ لغو اور شہوانی باتوں کے اثرات سے روزوں کی تطہیر اور غریبوں کے لیے عید کے کھانے کی غرض سے عائد کیا ہے[17]۔

نماز اور خطبہ کی تفصیلات ہم اسی کتاب میں ''قانونِ عبادات'' کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

نمازوں کے بعد تکبیر کا حکم مطلق ہے۔ اس کے کوئی خاص الفاظ شریعت میں مقرر نہیں ہیں اور اس کے

۱۷۔ ابوداؤد، رقم ۱۶۰۹۔

ایام وہی ہیں جو منیٰ میں قربانی کے بعد وہاں قیام کے لیے ٹھیرائے گئے ہیں۔ ۱۰ ذوالحجہ کے بعد یہ دن بھی عید ہی کے دن سمجھے جاتے ہیں۔

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے یہ دونوں تہوار ذکر، شکر اور تفریحات کے لیے خاص ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ کی روایت ہے کہ ایک موقع پر جب ان کے والد سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر میں گانا گاتے ہوئے بچیوں کو منع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا ابابکر، ان لکل قوم عیداً و ھذا عیدنا. (بخاری رقم ۹۵۲)	''ابوبکر، (انھیں گانے دو)، ہر قوم کے لیے ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معمولات ان موقعوں پر روایتوں میں بیان ہوئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

عیدالفطر کے دن آپ چند کھجوریں کھا کر نماز کے لیے نکلتے تھے اور ان کی تعداد ہمیشہ طاق ہوتی تھی[۱۸]۔

عیدالاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے[۱۹]۔

عید کی نماز کے لیے جس راستے سے جاتے، اسے بدل کر واپس تشریف لاتے تھے[۲۰]۔

۲۰۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ

انبیا علیہم السلام کے دین میں جانوروں سے گوشت حاصل کرنے کے لیے ان کی جان لینے کا یہی طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ کا نام، ظاہر ہے کہ اس کی نعمتوں کے اعتراف و اقرار، شرک کے استیصال اور جان کی حرمت کو اذنِ خداوندی سے متعلق قرار دینے کے لیے لیا جاتا ہے اور تذکیہ کا طریقہ اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ جانور کا گوشت خون کی نجاست سے پوری طرح پاک ہو جائے۔

تذکیہ کا لفظ جس مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے جانور کو زخمی کر کے اس کا خون اس طرح بہا دیا جائے کہ اس کی موت خون بہ جانے ہی کے باعث واقع ہو۔ اس کا طریقہ ذبح یا نحر ہے۔ ذبح گائے، بکری اور اس کے مانند جانوروں کے لیے خاص ہے اور نحر اونٹ اور اس کے مانند جانوروں کے لیے۔ ذبح سے مراد یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے حلقوم اور مری (غذا کی نالی) یا حلقوم اور ودجین (گردن کی رگوں) کو کاٹ دیا

۱۸۔ بخاری، رقم ۹۵۳۔

۱۹۔ ترمذی، رقم ۵۴۲۔

۲۰۔ بخاری، رقم ۹۸۶۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

جائے اور نحر یہ ہے کہ جانور کے حلقوم میں نیزے جیسی کوئی تیز چیز اس طرح چبھوئی جائے کہ اس سے خون کا فوارہ چھوٹے اور خون بہ کر جانور بالآخر بے دم ہو کر گر جائے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد رفیع مفتی

تصویر

— ۵ —

تصویر کے بارے میں صحابہ کا عمل

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تصاویر کے حوالے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں کیا عملی رویہ پایا جاتا تھا، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی بات پر کیا عمل کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عملی رویے کے حوالے سے ہم روایات کے ذخیرے میں بہت سی معلومات پاتے ہیں، جن میں سے چند روایات درج ذیل ہیں:

عن أبي الهياج الاسدي؛ قال لي علي الا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله صلي الله عليه و سلم ان لا تدع تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سويته ولا صورة الا طمستها.

(مسلم، کتاب الجنائز)

''ابو الہیاج الاسدی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کیا میں تم کو ویسی ہی مہم پر نہ بھیجوں جیسی مہم پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا کہ تم ہر مجسمے کو توڑ دو، ہر اونچی قبر کو برابر کر دو اور ہر تصویر کو مٹا دو۔''

عن حنش الكناني عن علي أنه بعث عامل شرطته فقال له أتدري على ما أبعثك؟ على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه و سلم أن أنحت كل يعني صورةً و أن أسوي كل

''حنش الکنانی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پولیس کے کوتوال سے کہا کہ: تم جانتے ہو میں کس مہم پر تمھیں بھیج رہا ہوں، اُسی مہم پر جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا کہ میں ہر تصویر کو مٹا دوں اور ہر قبر کو زمین کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قبر. (مسند احمد، مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ)

برابر کردوں۔''

قال عمر رضي الله عنه انا لا ندخل كنائسكم من أجل التماثيل التي فيها الصور. (بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

''عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں سے کہا کہ ہم تمھارے کنیسوں میں اُن تماثیل (پوجی جانے والی چیزوں) کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے، جن پر (تمھارے معبودوں کی) تصاویر بنی ہوتی ہیں۔''

كان ابن عباس يصلي في بيعة الا بيعة فيها التماثيل. (بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ گرجا میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے، مگر اس گرجا میں نہیں پڑھتے تھے، جس میں تماثیل ہوتی تھیں۔''

تصاویر کے حوالے سے صحابہ رضی اللہ عنہ کا یہ وہ عملی رویہ ہے جو ہمیں احادیث کی مستند کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تصویر کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر کیا عمل کیا تھا۔

اِن روایتوں سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مشرکانہ تصاویر سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ اُن کے احوال سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ تصویر کے حوالے سے اگر کوئی عمل کرتے تھے تو وہ یہی تھا کہ مشرکانہ تصویروں کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

آپ دیکھیے ان روایتوں میں حضرت علی مشرکانہ تصویروں کو مٹانے کا حکم دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اِن تصاویر کو مٹانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن تھا، میں بھی اُسی راستے پر گامزن ہوں۔ حضرت عمر اور حضرت ابنِ عباس کو دیکھیے، یہ عیسائیوں کے گرجوں میں نماز پڑھنا بالکل درست سمجھتے ہیں، لیکن اگر اُن میں عیسائیوں کے شرکیہ عقائد کی نمائندہ (مشرکانہ) تصاویر ہوں، تو پھر یہ کسی صورت بھی اُن میں نماز پڑھنے کو تیار نہیں ہوتے۔

صحابۂ کرام عملاً جن تصاویر سے پرہیز کرتے تھے، وہ سب کی سب مشرکانہ تصاویر ہی تھیں۔ چنانچہ صحابہ کا عمل بھی ہمیں یہی بات بتاتا ہے کہ وہ سب تصاویر ممنوع ہیں جو مظہرِ شرک ہیں۔

تصویر کے بارے میں صحابہ کا یہ عمل تو ہمیں احادیث کی بنیادی کتابوں میں ملتا ہے، اِس کے علاوہ کتبِ تاریخ

اور احادیث کی بعض دوسری کتب کو دیکھیں، تو وہاں سے بھی ہمیں تصویر کے بارے میں صحابہ کے عملی رویے سے متعلق کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یہ باتیں درجِ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عروہ کے بٹن میں آدمیوں کے چہروں کی تصویریں تھیں[۱۰]۔

۲۔ حضرت انس بن مالک کی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر غراں کی تصویر بنی ہوئی تھی[۱۱]۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ کی انگوٹھی میں جو نگینہ تھا، اُس میں دو مکھیوں کی تصویر بنی ہوئی تھی[۱۲]۔

۴۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی انگوٹھی کے نگینے میں دو آدمی بنے ہوئے تھے، جن کے درمیان میں ایک شیر تھا[۱۳]۔

۵۔ حضرت حذیفہ کی انگوٹھی میں دو سارس آمنے سامنے بنے ہوئے تھے اور اُن کے درمیان الحمد للہ لکھا ہوا تھا[۱۴]۔

۶۔ قتادۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس کی انگوٹھی میں ایک سارس بنا ہوا تھا، جس کے دو سر تھے[۱۵]۔

۷۔ حضرت عمران بن حصین کی انگوٹھی میں ایک آدمی کی تصویر تھی جو گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھا[۱۶]۔

۸۔ حضرت عمر کے زمانے میں جب شہر سوس فتح ہوا، تو وہاں ایک انگوٹھی دستیاب ہوئی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت دانیال نبی کی انگوٹھی ہے۔ اِس انگوٹھی کے نگینے میں دو شیر اور ان کے مابین ایک آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حضرت عمر نے یہ انگوٹھی ابوموسیٰ اشعری کو عنایت فرمائی اور کہا کہ تم اِس سے مہر لگایا کرو[۱۷]۔

۹۔ حضرت عمر ہی کے دور میں جب سلطنتِ ایران کا پایہ تخت مدائن فتح ہوا، تو فاتح ایران حضرت سعد بن ابی

۱۰۔ طبقات ابنِ سعد، جز تابعین ص ۱۳۶۔

۱۱۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۱۲۸۔

۱۲۔ تصویر کے شرعی احکام (ص ۳۶) از مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ۔

۱۳۔ مصنف ابنِ اَبی شیبہ، ج ۶، کتاب الباس والزینہ، نقش الخاتم وما جاء فیہ۔

۱۴۔ مصنف ابنِ اَبی شیبہ، ج ۶، کتاب الباس والزینہ، نقش الخاتم وما جاء فیہ۔

۱۵۔ المصنف، عبد الرزاق، ج ۱۰، باب الخاتم۔

۱۶۔ مصنف ابنِ اَبی شیبہ، ج ۶، کتاب اللباس والزینہ، نقش الخاتم وما جاء فیہ۔

۱۷۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۴، ص ۲۲۱۔

وقاص نے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے ایوانِ کسریٰ میں منبر نصب کیا اور جمعہ کی نماز ادا کی، حالانکہ اُس میں تماثیل (مجسمے اور تصاویر)[18] موجود تھیں[19]۔

صحابۂ کرام کے بارے میں اِن تاریخی حوالوں کو بھی دیکھ لیجیے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا کہ جان دار کی تصویر حرام ہے اور بے جان کی حلال ہے۔ ہمارے علماے کرام نے صحابۂ کرام کے اِس رویے کو ''تصویر میں استثنا'' سے متعلق قرار دیا ہے، لیکن یہ محض ایک تکلف ہے۔ بٹن اور انگوٹھیوں پر بنائی جانے والی ایسی تصاویر بس زیب و زینت کے لیے ہوا کرتی ہیں اور اِس بات کا کیا سوال کہ صحابہ محض زیب و زینت کی خاطر ممنوع تصاویر (خدا کی تخلیق کی نقل) کو گوارا کرتے ہوں گے اور ایسی تصاویر کے معاملے میں وہ رخصت کی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوں گے۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ ایسی تصاویر ممنوع ہی نہیں تھیں، جیسا کہ ہم پیچھے تفصیلی مطالعہ کر آئے ہیں۔

تصویر کے بارے میں فہمِ تابعین

تصویر کے بارے میں جب ہم فہمِ تابعین کے حوالے سے روایات کو دیکھتے ہیں، تو درجِ ذیل روایت ہمارے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۸۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۴، ص ۱۷۷۔

۱۹۔ یہ تماثیل کیسی تھیں؟ ظاہر ہے کہ اِس بات کا کوئی امکان نہیں کہ یہ تماثیل دین میں ممنوع بھی ہوں اور صحابہ نے انھیں گوارا بھی کر لیا ہو۔ مشرکانہ تماثیل جب کہ وہ اہانت کی جگہ پر نہ ہوں، سب علما و فقہا کے نزدیک ممنوع ہیں، اِس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ تماثیل تزئین و آرایش ہی کے لیے تھیں، جیسا کہ بادشاہوں کے درباروں میں اکثر ہوتا ہے، اور اگر اِن میں شرک کا کوئی پہلو کسی درجے میں تھا بھی تو موحدین کی غالب تلوار نے انھیں محلِ اہانت میں لا کھڑا کیا تھا، ورنہ صحابہ انھیں گوارا کرنے والے نہ تھے، جیسا کہ اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ صحابہ تماثیل والے کلیساؤں میں داخل نہ ہوا کرتے تھے۔

مولانا شبلی نعمانی الفاروق میں ''قادسیہ کی جنگ اور فتح'' کے تحت انھی تماثیل کا ذکر کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ 'ہمارے فقہا کو تعجب ہو گا کہ حضرت سعد نے باوجود کہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے، عالم گیر و محمود کی تقلید نہیں کی، بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں، سب برقرار رہنے دیں۔

مولانا شبلی نے انھیں ممنوع تماثیل سمجھ کر، صحابہ کے بارے میں جس خیال کا اظہار کیا ہے، ہمیں اُس سے اتفاق نہیں ہے۔

سامنے آتی ہے۔

حدثنا لیث قال دخلت علی سالم بن عبد الله وهو متكي علی وسادة فيها تماثيل طير ووحش فقلت اليس يكره هذا قال لا انما يكره ما نصب نصبا.(مسند احمد۔ مسند المکثرین من الصحابہ)

''لیث رحمہ اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ وہ سالم بن عبداللہ کے پاس گئے، جبکہ وہ (سالم) ایک ایسے تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، جس پر پرندوں اور وحشی جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ وہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا کہ کیا (تکیے وغیرہ پر) ایسی تصاویر (کا ہونا) مکروہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: نہیں مکروہ تو بس وہ تصاویر ہیں، جو استھانوں پر نصب کی جاتی ہیں۔''

حضرت سالم بن عبداللہ تابعی کے عمل کو دیکھیے وہ وحشی جانوروں اور پرندوں کی تصاویر والے ایک تکیے پر اطمینان سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، لیث رحمہ اللہ آتے اور پوچھتے ہیں، تصاویر والے تکیے کا یہ استعمال کیا مکروہ نہیں ہے، وہ بتاتے ہیں کہ یہ تصویریں تو ممنوع نہیں ہیں۔ ممنوع تو وہ تصویریں ہیں جو استھانوں پر گاڑی جاتی ہیں۔ یعنی وہی جو مظہرِ شرک ہیں۔

عن إبراهيم قال لا بأس بالتمثال في حلية السيف؛ ولا بأس بها في سماء البيت؛ إنمايكره منها ما ينصب نصباً؛ يعني الصورة.

(مصنف ابن ابی شبتہ؛ کتاب الباس والزینتہ؛ من رخص ان یدخل البیت فیہ التصاویر)

''ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ تلوار پر بنائے جانے والے نقش و نگار میں تماثیل یعنی تصاویر بنانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ (کمرے کی) چھت میں تصاویر بنانے میں کوئی حرج ہے۔ ناپسندیدہ تصاویر تو وہ ہیں جو استھانوں پر گاڑی جاتی ہیں، یعنی (عام نہیں) خاص تصاویر۔''

یہ ابراہیم بن یزید بن قیس النخعی مشہور تابعی کا تصویر کے بارے میں فہم ہے۔ اُن کی اِس بات سے بھی یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ صرف وہی تصاویر ممنوع ہیں جو مظہرِ شرک ہیں۔

تصویر کے بارے میں تابعین کا عمل

۱۔ حضرت ابراہیم تابعی کی انگوٹھی میں 'انا اللہ' کے الفاظ منقوش تھے اور اُس پر ایک مکھی کی تصویر بھی بنی

ہوئی تھی[20]۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل تابعی کے پاس ایک انگوٹھی تھی، جس پر ایک شیر کی تصویر تھی۔ عبداللہ اپنا یہ خیال ظاہر کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس انگوٹھی سے مہر لگایا کرتے تھے[21]۔

صحابہ کے بعد اب تابعین کے بارے میں ان حوالوں کو بھی دیکھ لیجیے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ صحابہ کی طرح تابعین کے ہاں بھی یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا کہ جان دار کی تصویر حرام ہے اور بے جان کی حلال ہے۔ اصل بات وہی ہے کہ تصاویر بس وہی ممنوع ہیں، جو مظہرِ شرک ہیں۔

قدیم شرائع میں تصویر

حرمتِ تصاویر کی علت اگراُن کا مظہرِ شرک ہونا ہے، تو ظاہر ہے کہ شرک تو سب امتوں میں حرام رہا ہے، لٰہذا ضروری ہے کہ (مشرکانہ) تصاویر بھی اُن کے ہاں اِسی طرح حرام رہی ہوں، جیسے ہمارے ہاں حرام ہیں۔ چنانچہ دیکھیے کہ تورات میں باقاعدہ سختی کے ساتھ یہ حکم دیا گیا:

"میں خداوند تیرا خدا ہوں، جو تجھ کو ملک مصر یعنی جاے غلامی سے نکال لایا۔ تیرے لیے میرے حضور کوئی دوسرا معبود نہ ہو۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی چیز یا کسی چیز کی صورت، جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین میں یا زمین کے نیچے کے پانی میں ہے، مت بنانا۔ تو اُن کو سجدہ نہ کرنا اور نہ اُن کی خدمت کرنا، کیونکہ میں خداوند تیرا خدا، خداے غیور ہوں۔----" (خروج، باب ۲۰، آیت ۲،۶)

"تم اپنے لیے بُت یا گھڑی ہوئی مورتیں نہ بناؤ، نہ اپنے لیے ستون کھڑے کرو، اور نہ اپنی زمین میں کوئی نقش دار پتھر رکھو، جس کے سامنے تم سجدہ کرو۔ کیونکہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔"

(اَحبار، باب ۲۶، آیت ۱۔۲)

"ایسا نہ ہو کہ تم بگڑ جاؤ، اور اپنے لیے کوئی گھڑی ہوئی مورت، کسی صورت کے مشابہ، مرد یا عورت کی بناؤ۔ یا کسی ایسے حیوان کی شکل[22]، جو زمین پر ہے، یا ایسے پر دار جانور کی شکل جو آسمان میں اڑتا ہے، یا کسی چیز کی شکل

۲۰۔ مصنف ابنِ اَبی شیبہ، ج ۶، کتاب اللباس والزینہ، نقش الخاتم وما جاء فیہ۔

۲۱۔ المصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، باب الخاتم۔

۲۲۔ مذہبِ شرک کے پیرو کاروں کے ہاں انسانوں اور جانوروں وغیرہ کے بُت تراشے گئے تا کہ اُن کی عبادت کی جائے۔ مثلاً قومِ نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی تماثیل جو بنائی گئی تھیں، انہیں دیکھیں، اِن میں سے وَد کی

جو زمین پر رینگتی ہے یا کسی ایسی مچھلی کی جو زمین کے نیچے پانی میں ہے، ایسا نہ ہو کہ تو اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائے اور سورج اور چاند اور ستاروں کو یعنی سب آسمانی لشکر کو دیکھ کر، جن کو خداوند تیرے خدا نے آسمان کے نیچے کی سب قوموں کی خدمت کے لیے بنایا، تو دھوکا کھائے اور اُن کو سجدہ کرے اور اُن کی خدمت کرے --- --- پس اپنے آپ میں خبر دار رہو کہ تم خداوند اپنے خدا کا عہد جو اُس نے تمھارے ساتھ کیا بھول نہ جاؤ۔ اور اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت اُس چیز کی نہ بناؤ، جس سے خداوند تیرے خدا نے تجھے منع کیا ہے، کیونکہ خداوند تیرا خدا بھسم کرنے والی آگ ہے، وہ غیور خدا ہے۔" (تثنیہ شرع، باب ۴، آیت ۱۶ تا ۱۹ اور ۲۳، ۲۴)

یہ تورات ہے، دیکھ لیجیے، اِس میں بھی کتنی وضاحت اور کتنی صراحت سے تصاویر کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، لیکن کن تصاویر کو، انھی کو اور صرف انھی کو جو شرک کا باعث ہیں اور شرک کا ذریعہ ہیں۔ ظاہر ہے ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، کیونکہ شرک تو ہر امت میں ممنوع رہا ہے۔

خلاصہ

اِس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصویر کے بارے میں عمومی نقطہء نظر یعنی یہ کہ جان دار کی تصویر ناجائز اور غیر جان دار کی جائز ہے، یہ درست نہیں ہے۔ صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر وہ تصویر ناجائز ہے، جو کسی بھی درجے میں مظہرِ شرک ہے۔ یہی بات قرآنِ مجید کی واضح رہنمائی سے ہمارے سامنے آتی اور یہی احادیثِ صحیحہ سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ صحابہ اور تابعین کا فہم بھی یہی حکم لگاتا اور اُن کا عمل بھی اِسی کے مطابق دکھائی دیتا ہے۔ یہی بات قدیم آسمانی مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ اِس خاص (مشرکانہ) نوعیت کی تصاویر کے علاوہ جتنی تصاویر بھی ہیں، قرآن و حدیث میں تصویر کے بارے میں دی گئی رہنمائی، اُن سے متعلق ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات الگ سے درست ہے کہ وہ تمام تصاویر جن کے اندر شرک کے علاوہ کوئی اور دینی یا اخلاقی خرابی پائی جائے گی، وہ بھی دینی طور پر بالکل ممنوع ہوں گی۔ تصویر پر بحیثیتِ تصویر، خواہ وہ جان دار کی ہو یا بے جان کی، دین کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جان دار یا بے جان، کسی کی بھی تصویر بنانا، خدا کی تخلیق کی وہ نقل نہیں ہے، جس نقل پر خدا نے سخت ناراضی ظاہر کی ہے۔ خدا کا دین تصویر بنانے کو صرف اور صرف اُسی وقت ممنوع قرار دیتا ہے، جب اُس میں دینی یا اخلاقی اعتبار سے کوئی خرابی پائی جاتی ہو۔ احادیث میں تصاویر بنانے اور

تمثیل مرد کی شکل پر بنائی گئی تھی، سواع کی عورت کی صورت پر، یغوث کی شیر کی صورت پر، یعوق گھوڑے کی صورت پر اور نسر کی تمثیل گدھ کی صورت پر بنائی گئی تھی۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اُنھیں اپنے پاس رکھنے کے عمل کو جس خرابی کی بنا پر ممنوع قرار دیا گیا ہے، وہ اُن کا مظہرِ شرک ہونا ہے۔

یہاں میں قارئین کے سامنے ایک ایسی حدیث لانا چاہوں گا، جسے پڑھ کر بہت حیرانی ہوتی ہے۔

عن عائشة ان جبريل جاء بصورتها في خرقة حرير خضراء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان هذه زوجتك في الدنيا والاخرة.

(ترمذی، کتاب لمناقب عن رسول اللہ)

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سبز ریشم کے ٹکڑے میں لپٹی ہوئی میری تصویر لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے، پھر یہ بتایا کہ یہ خاتون دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہوں گی۔"

تصویر کے بارے میں ہمارے ہاں عموماً جو موقف پایا جاتا ہے اُس کے مطابق تو یہ ممکن نہیں کہ کوئی عام فرشتہ بھی کسی انسان یعنی جان دار کی تصویر کے قریب بھی جائے، کجا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے جبرئیل علیہ السلام عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر سبز ریشم کے ٹکڑے میں لپیٹ کر، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دکھانے چلے آئیں۔ العجب ثم العجب۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تصویر کے بارے میں ہمارے ہاں جو موقف پایا جاتا ہے، اُس میں کیا غلطی اور کیا تضاد ہے، وہ کس طرح قرآنِ مجید کی رہنمائی اور احادیثِ رسول کی ہدایت سے ہٹا ہوا ہے اور پھر اِس سلسلے میں قرآن و حدیث کی ہدایت اور رہنمائی ہے کیا، صحابہ نے اُسے کیا سمجھا اور اُس پر کیا عمل کیا، یہ سب کچھ واضح کرنے کے بعد اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ تصویر ہی کے حوالے سے بعض اہم سوالات کو زیر بحث لایا جائے۔

(باقی)

محمد مشتاق احمد

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی حقیقت

کچھ عرصہ قبل کویت ہاسٹل انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ایک لیکچر کے دوران میں ہمارے استادِ محترم یونیورسٹی کے وائس پریزیڈنٹ جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے اناجیل میں موجود حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کو ناقابلِ عمل قرار دیا اور دلیل کے طور پر قرونِ وسطیٰ کے مسیحیوں کے مظالم کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ یہ مظالم انھی لوگوں نے ڈھائے تھے جو اس تعلیم کے دعوے دار تھے کہ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو۔ مسیحی تعلیمات پر اس انداز میں تنقید کرنے میں غازی صاحب تنہا نہیں ہیں، مسلم اسکالر بالعموم یہی طرزِ فکر اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً صلیبی جنگوں کے دوران میں مسیحیوں کے مظالم پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اور ممتاز اسکالر جناب ڈاکٹر عبد الحمید قادری لکھتے ہیں:

"The orthodox christians as well as the rational historians bow their heads in shame when recounting the times of crusades. Until about a century when Jerusalem was retaken by the Muslims, the same spirit of savage barbarity ran through various crusades launched from time to time by the christians. The moral turpitude which has been running through the christian polity down the ages, proves upto hilt that the teachings of christianity which were not teachings of Jesus (Peace be upon him) are in no way divine and are mere figments of human mind, and have all along been a drag on, rather than a spur to the advancement of civilization." (Dimensions of Christianity p.28, Da'wah Academy, IIU Islamabad, 1989)

”صلیبی جنگوں کے واقعات دہراتے ہوئے راسخ الاعتقاد مسیحیوں اور عقلیت پسند مورخین سبھی کے سر شرم

سے جھک جاتے ہیں۔ تقریباً ایک صدی بعد تک، جبکہ مسلمانوں نے یروشلم واپس حاصل کر لیا، وحشت و بربریت کی یہی روح ان تمام صلیبی جنگوں میں جاری و ساری رہی، جو وقتاً فوقتاً مسیحیوں نے شروع کیں۔ اخلاقی پستی نے جو تمام ادوار میں مسیحی حکومتوں کا خاصہ رہی۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دی ہے کہ مسیحیت کی تعلیمات، جو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات نہیں تھیں، کسی بھی طرح خدائی تعلیمات نہیں بلکہ محض انسانی ذہن کی اختراع ہیں اور تہذیب کی ترقی میں مفید ہونے کے بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔''

اسی طرح مولانا کوثر نیازی مرحوم مسیحی تعلیمات کو ''بظاہر حد درجہ حسین مگر ناقابلِ عمل'' قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''وعظ تو بہت عمدہ ہے مگر دنیا میں کتنے آدمی ہیں جنھوں نے اس ارشاد پر عمل کیا ہو گا؟ جو مذہب قصاص اور حدود کے اندر رہتے ہوئے جائز انتقام کے تصورات سے خالی ہو۔ کیا وہ فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے؟ جنگِ عظیم اور جنگِ عالم گیر کو تو رہنے دیجیے، سوال یہ ہے کہ عیسائی دنیا ''معرکہ ہائے صلیب و ہلال'' میں جس طرح کامل اتفاق سے مسلمانوں کے خلاف صف آرا رہی ہے، وہ اسی تعلیم کا عملی نمونہ تھا؟''

(آئینۂ تثلیث ص ۱۱۲، مکتبہ شہاب لاہور ۱۹۶۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہمارے نزدیک تنقید کا یہ انداز صحیح نہیں۔ اگر مسیحیوں نے ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا تو اس کا الزام حضرت مسیح علیہ السلام کو کیوں دیا جائے۔ اس طرح تو اسلامی تعلیمات کو بھی ناقابل عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے وطن پاکستان میں ۹۷ فی صد آبادی مسلمان ہے مگر یہاں پورا معاشی نظام سود پر قائم ہے۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے سود کی حرمت کا جو قانون پیش کیا ہے وہ ناقابلِ عمل ہے؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا صحیح مقام سمجھنے میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نام لیواؤں اور ان کے نکتہ چین دونوں نے غلطی کی ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے سیاق و سباق اور ان کے مخاطبین کی ذہنیت کو بالکل نظر انداز کر کے اپنے فہم کے مطابق معانی پہنائے گئے ہیں۔ مسلمان اسکالروں نے یہ طرزِ فکر ردِ عمل کے طور پر اپنایا ہے کیونکہ اسلام پر مستشرقین اسی قسم کے اعتراضات کرتے ہیں، لیکن اسے کسی طور پر مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''مسلمانوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان کو صرف خوب صورت انداز سے مباحثے کی اجازت

دی گئی ہے اور مخالف فریق کو برا بھلا کہنے سے نہایت سختی سے روکا گیا ہے .... ہمارے اور ان کے درمیان اس سے بڑھ کر کوئی حجت نہیں ہو سکتی کہ ہم دونوں چیزوں کو ایک ساتھ برابر رکھ دیں کہ جس کے اندر عقل اور مذاقِ سلیم موجود ہے وہ ان میں سے بہتر کو خود منتخب کر لے۔ قرآنِ مجید نے ہدایت پانے والوں کی تعریف یہی کی ہے: 'اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ' (جو لوگ بات سنتے ہیں اور پھر اس میں جو بہتر ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں)۔'' (مجموعۂ تفاسیرِ فراہی ص ۴۴، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۸)

مسیحی تعلیمات کے متعلق مولانا فراہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بعض مسلمان انجیل کی بعض عبارتوں کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اگر وہ قرآن کی تعلیم سے ان کو مطابقت دے سکیں تو ان کو معلوم ہو کہ ان باتوں کو ماننے کی سب سے بڑی ذمہ داری مسلمان ہی پر ہے۔'' (ایضاً، ص ۴۳)

ہم اس مقالے میں یہی کام کرنے کی کوشش کریں گے، جس کی ترغیب مولانا فراہی نے دی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ اس مقالے میں پیش کیے گئے خیالات کا بنیادی ماخذ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کی تفسیر ''تدبرِ قرآن'' ہے۔ مسیحی تعلیمات کے متعلق کافی عرصے تک میرا بھی وہی خیال تھا جو عام مسلمان اسکالروں کا ہے تاہم ''تدبر قرآن'' کے مطالعہ کے بعد میرا طرزِ فکر بدل گیا۔ اس تفسیر میں مولانا نے حضرت مسیح علیہ السلام کے کئی اقوال نقل کیے ہیں اور ان کا صحیح موقع و محل واضح کیا ہے اور اس طرح ان تعلیمات اور قرآنِ حکیم کے احکام میں حیرت انگیز مطابقت دریافت کی۔ آپ اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''جس طرح قرآنِ مجید اللہ کی کتاب ہے اسی طرح تورات، زبور اور انجیل بھی اللہ ہی کے اتارے ہوئے صحیفے ہیں۔ اگر ان کے بدقسمت حاملوں نے ان صحیفوں میں تحریفیں نہ کر دی ہوتیں تو یہ بھی اسی طرح ہمارے لیے رحمت و برکت تھے جس طرح قرآن ہے۔ لیکن ان تحریفات کے باوجود آج بھی ان کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت کو سمجھنے میں جو مدد ان صحفیوں سے ملتی ہے وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے۔ خاص طور پر زبور، امثال اور انجیلوں کو پڑھیے تو ان کے اندر ایمان کو وہ غذا ملتی ہے جو قرآن و حدیث کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود تھے وہ قرآن اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تعلیمات سے کیوں محروم رہیں۔" (تدبرِ قرآن، ج ۱ ص ۷۴، انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۹۷۳)

اپنی ایک اور تصنیف "تزکیۂ نفس" میں مولانا اصلاحی روحانی بیماریوں کا علاج تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شعور کو بیدار رکھنے کے لیے سب سے زیادہ مفید چیز صالح لٹریچر کا مطالعہ اور ذی شعور لوگوں کی صحبت ہے آدمی کو برابر ایسی چیزیں پڑھتے رہنا چاہیے جن میں زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے .... ایسی چیزوں میں سب سے اونچا درجہ کتاب اللہ اور احادیثِ رسول کا ہے ان کے حرف حرف اور سطر سطر کے اندر خالص حقیقت اور بالکل بے آمیز علم ہے ان کے بعد زبور، انجیل، امثال، سلیمان .... ہیں.... ان چیزوں کے اندر کچھ ملاوٹیں اور آمیزشیں بھی ہیں .... لیکن جو لوگ ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں وہ نہایت آسانی سے ان کے حق و باطل میں خود امتیاز کر لیتے ہیں۔" (ج ۱ ص ۱۶۳، ملک سنز فیصل آباد ۱۹۹۷)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک بائبل کے حق و باطل کی تمیز کے لیے کسوٹی قرآن و حدیث ہے۔ کہتے ہیں:

"جس حد تک قرآن اور قدیم صحیفوں میں موافقت ہے وہ موافقت میں نے دکھادی ہے اور جہاں تک فرق ہے، وہاں قرآن کے بیان کی حجت و قوت واضح کر دی ہے۔" (تدبرِ قرآن، ج ۱ ص ۷)

مولانا اصلاحی کے خیالات پوری تفسیر میں بکھرے پڑے ہیں۔ میں نے ان کی تفسیر سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے مطالعہ کے بارے میں جو اصول اخذ کیے ہیں، وہ اس مقالے میں تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں۔

۱۔ حق و باطل کی تمیز کے لیے کسوٹی قرآنِ حکیم ہے

قرآنِ حکیم پچھلی کتابوں کو بھی منزل من اللہ قرار دیتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ ان کتابوں میں لوگوں نے بہت زیادہ حذف و اضافہ کر دیا ہے اس لیے اب پچھلے صحیفوں کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے واحد کسوٹی قرآن ہی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ. (المائدہ ۵: ۴۸)	"اور ہم نے تمھاری طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ اپنے سے بیشتر موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی اور اس کے لیے کسوٹی بنا کر۔"

یہاں لفظ "مھیمن" استعمال ہوا ہے مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"'مھیمن'' اصل میں 'مُاَامن' ہے۔ دوسرا ہمزہ 'ی' سے اور پہلا 'ہ' سے بدل گیا ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔(۲۳۔ حشر) اور قرآن کی صفت کے طور پر بھی۔ 'ھیمن الطائر علی فواخہ' کا مطلب یہ ہوگا کہ پرندہ اپنے بچوں کے اوپر پر پھیلائے ہوئے منڈلا رہا ہے، گویا ان کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے۔ 'ھیمن فلان علی کذا' فلاں اس چیز کا محافظ اور نگران بن گیا۔ اپنے سے سابق صحیفہ پر قرآن کے مھیمن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اصل معتمد نسخہ کتاب الٰہی کا ہے اس لیے وہ دوسرے صحیفوں کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے کسوٹی ہے۔ جو بات اس کسوٹی پر کھری ثابت ہوگی وہ کھری ہے، جو اس پر کھوٹی ثابت ہوگی وہ محرف ہے۔''(تدبرِ قرآن، ج ۲، ص ۳۰۵، انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۷۶)

ایک اور لحاظ سے بھی قرآن پچھلی کتابوں کے لیے کسوٹی ہے اور وہ یہ کہ پچھلی کتابوں کی زبان مٹ چکی ہے اور ان کے معانی و مفاہیم کے تعین میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ قرآن کی زبان زندہ زبان ہے اس لیے بہت سے لغوی مسائل اس کے ذریعے حل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''انجیل اور تورات کی بہت سی باتیں ان کے ماننے والوں کے لیے فتنہ بن گئی ہیں، حالانکہ اگر وہ عربی زبان جانتے ہوتے تو اس گمراہی میں نہ پڑتے۔''(مجموعۂ تفاسیر فراہی، ص ۴۳)

اس اجمال کی تشریح وہ یوں کرتے ہیں:

''یہ معلوم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام جس کی روایت یونانی زبان میں ہوئی دراصل عبرانی زبان میں تھا۔ انجیل اور تورات کی زبان ایک ہی ہے۔ اور یہ امر بھی ہر شخص کو معلوم ہے کہ عربی اور عبرانی جو آسمانی کتابوں کی زبانیں ہیں دونوں ایک ہی اصل سے نکلی ہیں۔ ایسی صورت میں ناگریز ہے کہ ان دونوں میں نہایت گہری مماثلت و مشابہت ہو اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے معانی کی طرف راہبری کرے پھر ان تمام صحیفوں کے مطالب بھی ایک سے ہیں۔ یہ سب وحی کے پاک سرچشمے سے نکلی ہیں اس لیے بھی ان میں یکسانی و ہم رنگی ہونا قدرتی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ جو امور اہل کتاب پر مشتبہ رہ گئے قرآن ہمارے لیے ان کی تفصیل کرے گا ... پھر قرآن جھگڑے کو چکانے والی اور اختلافات کو رفع کرنے والی کتاب بن کر نازل ہوا ہے اور اس کے ماسوا اکثر کتب منزلہ تخیل اور شعر ہیں۔ لہٰذا جو لوگ ان کتابوں کو سمجھنا چاہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کو قرآن ہی کی روشنی میں سمجھیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ پرانے صحیفے متروک ہو چکے ہیں اس وجہ سے ان کی زبان مٹ چکی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان کو سمجھنا چاہے تو اس کے لیے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

صرف ایک ہی شکل ہے کہ انھیں لغتِ قرآن کی رہنمائی میں سمجھے۔'' (ایضاً)

ایک مثال سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (۳: ۵۱)

''بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے تو اسی کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔''

اس آیت کی تشریح میں مولانا اصلاحی کہتے ہیں:

''انجیلوں میں خدا کے لیے میرا باپ اور تمھارا باپ کی جو تعبیر بار بار آتی ہے یہ قرآن نے اس کی تصحیح فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے دراصل جو بات فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔ سو اسی کی بندگی کرو..... عبرانی میں 'اب' کا لفظ باپ اور رب دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح 'ابن' کا لفظ بیٹے اور عبد دونوں معنوں میں آتا ہے..... جب نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا عقیدہ بنا لیا تو جو چیز بھی انھیں مفید مطلب نظر آئی اس کو انھوں نے اسی عقیدہ کی تائید میں استعمال کر لیا۔ قطع نظر اس سے کہ اس کا موقع و محل کیا ہے پھر جب اصل انجیل کی جگہ صرف اس کے ترجمے رہ گئے تو ہر چیز کی تعبیر بھی یک قلم بدل کے کچھ سے کچھ ہو گئی۔'' (تدبرِ قرآن، ج ۱، ص ۶۹۹)

۲۔ قرآن سے پہلے شریعت کی حیثیت تورات کو حاصل تھی

ہمارے نزدیک قرآن سے پہلے شریعت کی حیثیت صرف تورات کو حاصل تھی۔ زبور، صحائف اور انجیل میں کسی نے بھی تورات کو منسوخ نہیں کیا۔ زبور اور صحائف انبیا کے متعلق تو اتفاق ہی ہے کہ انھوں نے تورات کو منسوخ نہیں کیا۔ البتہ انجیل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے تورات کو منسوخ کر دیا اور ہمارے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیا میں سے تھے اور دیگر انبیاے بنی اسرائیل کی طرح آپ بھی تورات کی دعوت لیکر آئے تھے، لیکن آپ کے نام لیواؤں اور آپ کی تعلیمات کے نکتہ چینوں، دونوں نے یہ غلطی کی کہ آپ کی تعلیمات کو مستقل شریعت کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ آپ نے اپنے مشہور ''پہاڑی وعظ'' جس میں آپ کی تعلیمات کا اکثر حصہ آ گیا ہے، کے شروع میں فرمایا ہے:

”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہر گز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا، لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمھاری راست بازی فقیہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔“(انجیل متی ۵: ۱۷ـ۲۰، کتابِ مقدس پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۸۹)

یہاں حضرت مسیح علیہ السلام خود فرما رہے ہیں کہ وہ تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے نہیں آئے۔ وہ خود لوگوں کو خبر دار کرتے ہیں کہ وہ نجات نہیں پا سکیں گے جب تک وہ فقیہوں اور فریسیوں کی طرح راست باز نہ ہو جائیں۔ اس تمہید کے بعد وہ اپنی مشہور تعلیمات پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہو گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا..... تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس نے کسی بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا..... تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے.....“(متی ۵: ۲۱-۲۲، ۲۷-۲۸، ۳۸-۳۹)

حیرت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ان تعلیمات کو مستقل شریعت قرار دینے والے کلام کا ابتدائی حصہ بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ بات کہ حضرت مسیح تورات کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے اور لوگوں کو تورات پر عمل کی دعوت دیتے تھے اناجیل کی کئی اور آیات سے بھی واضح ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

”اس وقت یسوع نے بھیڑ سے اور اپنے شاگردوں سے یہ باتیں کہیں کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔“(متی ۲۳: ۱-۳)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مسیح کی تعلیمات مستقل شریعت کی حیثیت نہیں رکھتی تھیں تو پھر

ان کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کی ہم ذیل میں وضاحت کرتے ہیں:

۳۔ حضرت مسیح کی تعلیمات تورات کی روح کی حیثیت رکھتی ہیں

یہود کی مادہ پرستی اور دنیا پرستی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے تورات میں انھوں نے اپنی خواہشات کو سندِ جواز عطا کرنے کے لیے کئی تحریفات کیں۔ مثلاً تورات میں واضح طور پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے[۱]۔

لیکن جب یہود سود کی لعنت میں مبتلا ہوئے تو تورات میں یہ حکم داخل کر دیا گیا کہ غیر قوموں سے سود لینا جائز ہے، صرف اسرائیلیوں سے سود لینا حرام ہے[۲]۔

نیز صدیوں کی غلامی نے یہودیوں کو شریعت کی روح بھلا دی تھی۔ وہ محض چند ظاہری رسوم پر عمل کرنے کو راست بازی سمجھتے، دین کے بنیادی احکام انھوں نے پسِ پشت ڈال دیے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مخاطبین کا یہ رویہ بھی پیش نظر رہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والوں، جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔" (متی ۲۳: ۲۳-۲۴)

یہود کی حد سے بڑھی ہوئی مادہ پرستی پر تنقید کرتے ہوئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا ..... کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت۔ یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ ..... ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ

۱۔ خروج ۲۲: ۲۵، استثنا ۲۳: ۱۹۔

۲۔ استثنا ۲۳: ۲۰۔

نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمھارا آسمانی باپ (رب) ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟'' (متی ۶: ۱۹-۲۷)

قرآنِ حکیم بھی یہی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ یہودیوں کو ''حکمت'' سکھانے آئے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ. (الزخرف ۴۳: ۶۳)

''جب عیسیٰ نشانیاں لے کر آیا تو اس نے کہا کہ میں تمھارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔''

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ. (آلِ عمران ۳: ۴۸)

''اور اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور حکمت، تورات اور انجیل سکھائے گا۔''

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

''تورات اور انجیل کے الفاظ یہاں کتاب اور حکمت کی تفسیر کے طور پر ہیں..... سیدنا مسیح علیہ السلام جہاں تک کتاب و شریعت کا تعلق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کے پیرو اور داعی تھے.... البتہ انھوں نے اس شریعت کی روح اور اس کی حکمت نہایت معجزانہ انداز میں بے نقاب فرمائی ہے اور اناجیل در حقیقت ان کی انھی حکمتوں کا مجموعہ ہیں۔ یہود نے تورات کو بالکل بے روح احکام اور بے جان رسوم کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس وجہ سے ان کی شریعت زندگی سے بالکل خالی ان کے لیے صرف ایک بوجھ بن کر رہ گئی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کے اندر اپنی تعلیمِ حکمت سے زندگی پیدا کی لیکن یہود نے اس کی قدر نہ کی۔''

(تدبرِ قرآن ج ۱، ص ۶۹۶)

لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا صحیح مفہوم اسی وقت واضح ہوتا ہے جب انھیں تورات کے قوانین کے ساتھ ملایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے مخاطبین کی ذہنی حالت بھی مدِ نظر رہے۔ حضرت مسیح نے اپنی تعلیمات پیش بھی اس طرح کی ہیں کہ پہلے یہ واضح کیا کہ وہ تورات کو منسوخ کرنے نہیں آئے بلکہ پورا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے تورات کے احکام پر عمل کی تاکید کی اور ان احکام کی اصل روح اور حکمت واضح کی ہے، تاکہ یہ محض بے جان رسوم ہی بن کر نہ رہ جائیں مثلاً آپ فرماتے ہیں:

''جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان

کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو، تاکہ آدمی نہیں تیرا باپ (رب) جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اس صورت میں تیرا باپ (رب) جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔'' (متی ۶: ۱۶-۱۸)

حضرت مسیح کی جن تعلیمات پر اعتراض کیا جاتا ہے ان میں سے ایک حسبِ ذیل ہے:

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔''

(متی ۵: ۳۸-۳۹)

یہاں بظاہر ایک مسئلہ محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مسیح نے پہلے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ تورات کو منسوخ کرنے نہیں آئے بلکہ پورا کرنے آئے ہیں یعنی اس کی تعلیمات کی حقیقت واضح کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے تورات کا حکم قصاص نقل کیا اور پھر اپنی تعلیم پیش کر دی جو کہ تورات سے مختلف ہے۔ اگر ہم ذرا گہرائی میں سوچیں حضرت مسیح نے تورات کا حکم منسوخ نہیں کیا۔ حضرت مسیح کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ بدلہ لینے کی اجازت تمھیں دی گئی ہے تاہم معاف کرنا بہتر ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمھارا آسمانی باپ (رب) بھی تم کو معاف کرے گا اور اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمھارا باپ (رب) بھی تمھارے قصور معاف نہ کرے گا۔''

(متی ۶: ۱۴-۱۵)

یہی تعلیم قرآنِ مجید کی ہے:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ. (الشوریٰ ۴۲: ۴۱)

''اور جو بدلہ لے بعد اس کے کہ اس پر ظلم کیا گیا تھا تو اس پر کوئی الزام نہیں۔''

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (الشوریٰ ۴۲: ۴۳)

''اور جو کوئی برداشت کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا اس انداز میں جائزہ لیا ہے۔

یہاں حضرت مسیح کی تعلیمات کے متعلق ایک اور اہم پہلو پر بحث ضروری ہے اور وہ ہے نسخِ تورات کا مسئلہ

کیونکہ انجیل کے بعض احکام واضح طور پر تورات کے احکام سے متصادم نظر آتے ہیں:

۴۔ حضرت مسیح نے بعض چیزیں حلال قرار دیں جو یہودیوں پر حرام تھیں

جیسا کہ ہم نے اوپر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرت مسیح بنیادی طور پر موسوی شریعت پر عمل پیرا تھے، تاہم یہودیوں پر جو سخت پابندیاں عائد کی گئی تھیں ان میں بعض آپ نے نرم کر دیں۔ اس امر کی تشریح کے لیے ہم نسخ کے اصول پر ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔

قرآن و سنت کی صریح نصوص کے مطابق حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاورسل کا دین ایک ہی تھا۔ عقائد (مثلاً توحید، رسالت، آخرت) اور دین کے بنیادی احکام تمام انبیا کی تعلیمات میں مشترک تھے۔ البتہ حالات اور ظروف کی مناسبت سے قانون (شریعت) کی تفصیلات میں اختلاف رہا ہے اور یہ اختلاف فطری تھا۔ انسانی معاشرے کی ترقی کے ساتھ اس قانون میں بھی وسعت ہوتی گئی اور وسعت اور ارتقا کے تقاضوں کے تحت قانون میں بعض ترامیم بھی ہوئیں۔ انھی ترامیم کو ہم نسخ کہتے ہیں۔ بالآخر یہ قانون اپنی جامع اور مکمل شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے پیش کیا گیا۔ اس میں پچھلے قوانین کی باقیات بھی ہیں اور بعض ایسے احکام بھی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیے گئے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس قانون کا ارتقا رک گیا ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب اس قانون کے اصول و مبادی میں کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے تحت قانون کا ارتقا جاری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

> ”اگر اسلامی قانون میں حرکت و ترقی کی صلاحیت نہ ہوتی تو یہ عہدِ نبوت کے بعد جبکہ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا بالکل ٹھٹھر کر رہ جاتا لیکن ہم صاف دیکھ رہے ہیں کہ عہدِ نبوت میں اس کی صرف بنیادیں استوار ہوئی تھیں۔ ان بنیادوں پر ایک شان دار قصر کی تعمیر صحابہ اور فقہا مجتہدین کے دور میں ہوئی ہے۔“
>
> (اسلامی قانون کی تدوین ص ۳۲، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۱)

اسلامی قانون کی اس حرکت اور ترقی میں دو عوامل نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ایک ہے اجتہاد یعنی ”زندگی میں جو حالات و معاملات ایسے پیش آئے جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی واضح قانون نہیں بیان ہوا ہے ..... ان کو بھی اسلامی شریعت کے تحت لانے کی کوشش کی جائے اور اگر ان کے بارے میں واضح احکام نہیں ملتے تو شریعت کے عام احکام کے اشارات و کنایات سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔“

(ایضاً ص ۳۰)

دوسرا اہم عامل مباحات کا دائرہ ہے جو بہت وسیع ہے "اس دائرہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو سامنے رکھ کر ہم جو قانون بنائیں گے وہ اسلامی قانون ہی کا ایک حصہ ہو گا بشرطیکہ اس میں کوئی چیز شریعت کے کسی امر یا نہی کے خلاف نہ ہو۔" (ایضاً ص ۳۲)

پس اسلامی قانون ایک لحاظ سے بے لچک ہے اور ایک پہلو سے یہ کافی لچک اور وسعت بھی رکھتا ہے "البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ لچک مجرد منفعلانہ قسم کی نہیں ہے کہ زندگی کا ہر تغیر خود اسلامی قانون کو متغیر کر دے بلکہ اس کے اندر فاعلانہ رجحان بھی پایا جاتا ہے جس کے سبب سے یہ ہر جگہ اپنے آپ کو حالات کے مطابق بنانے کے بجائے یہ کوشش بھی کرتا ہے کہ جہاں کہیں ضرورت پیش آئے حالات کو اپنے مطابق بنا لے۔" (ایضاً ص ۲۴)

اس بحث کی روشنی میں ہم حضرت مسیح کی تعلیمات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قانون اپنے اصول و مبادی کے لحاظ سے بھی ارتقائی مرحلے میں تھا اس لیے بعض امور میں حضرت مسیح نے یہودیوں کا قانون تبدیل کر لیا۔

ہمارے نزدیک یہودی قانون کے احکام تین قسم کے تھے:

۱۔ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید و رسالت، آخرت اور بنیادی احکام مثلاً حرمتِ جان، مال و عزت وغیرہ تو یہ احکام ابدی اور ناقابلِ تبدیل ہیں اور حضرت آدم سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا کی دعوت میں یہ امور مشترک اور ناقابلِ تبدیل رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت مسیح کے قول "جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔" (متی ۵: ۱۹) سے مراد یہی بنیادی احکام ہیں کیونکہ تورات کے بعض احکام میں حضرت مسیح نے تبدیلی کی ہے، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

۲۔ اس قانون میں بعض احکام ایسے تھے جو صرف یہود کے لیے تھے مثلاً سبت کی پابندیاں، کھانے پینے کی اشیا میں حرمت کی تفصیلات وغیرہ یہ احکام یہود کی قلبی قساوت کی وجہ سے انھیں دیے گئے تھے جیسا کہ قرآنِ حکیم نے واضح کیا ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ	"اور جو یہودی ہوئے ان پر ہم نے سارے
وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ	ناخن والے جانور حرام کیے اور گائے اور بکری کی

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ.(الانعام۶:۱۴۶)

چربی حرام کی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں سے وابستہ یا کسی ہڈی سے لگی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی اور ہم بالکل سچے ہیں۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا. وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ.(النساء۴:۱۶۰-۱۶۱)

''پس یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر بہت سی پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے پہلے حلال کی گئی تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے تھے حالانکہ وہ اس سے منع کیے جا چکے تھے اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔''

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی کئی موقعوں پر اس بات کا اظہار کیا کہ یہودیوں پر بہت سی چیزیں ان کی قلبی قساوت کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ چنانچہ جب ان سے فریسیوں نے پوچھا:

''کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو کیا حکم دیا ہے؟ انھوں نے کہا: موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمھاری سخت دلی کے سبب تمھارے لیے یہ حکم لکھا تھا۔'' (مرقس ۱۰:۲-۵)

۳۔ بعض احکام ایسے تھے جو اصلاً شریعت کا حصہ نہیں تھے مگر یہود کے احبار اور فقیہوں نے اپنی طرف سے یہ پابندیاں لگائی تھیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.(التوبہ۹:۳۱)

''ان (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اپنے علما اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

اس کی تشریح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہودی و مسیحی علمانے احلال و تحریم کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا ـــــ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حضرت مسیح یہودی علما کی اس روش پر سخت تنقید کرتے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رہے مگر انھی کے نام لیوا یہی کام حضرت مسیح کے نام سے کرنے لگے ـــــ یہودی علما کی اس روش کے متعلق حضرت مسیح کہتے ہیں:

''وہ ایسے بھاری بوجھ جن کو اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں مگر آپ ان کو اپنی انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے.... اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیونکہ تمھارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ (رب) نہ کہو کیونکہ تمھارا باپ (رب) ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔'' (متی ۲۳: ۴، ۷-۹)

جہاں تک پہلی قسم کے احکام کا تعلق ہے حضرت مسیح نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی، جب ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا حکم کون سا ہے؟ تو آپ نے کہا:

''اول یہ ہے کہ اے اسرائیل، سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔'' (مرقس ۱۲: ۲۹-۳۰)

اسی طرح جب ایک دولت مند آدمی نے آپ سے نجات کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

''اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ اُس نے اُس سے کہا: کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا: یہ کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے، اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کر۔'' (متی ۱۹: ۱۷-۱۹)

البتہ دوسری اور تیسری قسم کے احکام میں آپ نے تبدیلی کی یعنی جو احکام یہودیوں کی سخت دلی کی وجہ سے ان کو دیے گئے تھے اور جو احکام اصلاً شریعت کا حصہ نہیں تھے بلکہ یہودی فقہا نے وضع کیے تھے ان میں سے بعض کو ختم کر دیا۔ قرآنِ مجید کے مطابق حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کو اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا:

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ. (آلِ عمران ۳: ۵۰)

''اور اس لیے آیا ہوں کہ بعض ان چیزوں کو تمھارے لیے حل ٹھیراؤں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔''

اس طرح آپ نے لوگوں سے بہت سی پابندیاں اٹھالیں ایسی پابندیاں جن میں وہ سر سے پاؤں تک جکڑے ہوئے تھے۔ آپ نے لوگوں سے بہت سا بوجھ اٹھالیا، ایسا بوجھ جس کا اٹھانا مشکل تھا۔'' اسی لیے آپ نے فرمایا:

"اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو، سب میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا۔ میرا جوُا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو۔ کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن۔ تو تمھاری جانیں آرام پائیں گی۔ کیونکہ میرا جوُا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔" (متی ۱۲: ۲۸-۳۰)

اس بحث سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کیوں آپ ایک طرف اعلان کرتے ہیں کہ آپ تورات کو منسوخ کرنے نہیں آئے اور دوسری طرف یہودی علما کے ساتھ بحث میں آپ بعض احکام پر سخت تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔ سبت ہی کا معاملہ لیجیے، یہ حکم تورات میں موجود ہے (خروج ۲۰: ۸-۱۱) تاہم یہودی فقہانے سبت کے معاملے میں بے جا غلو کیا۔ ممتاز مسیحی عالم جناب پادری ایف ایس خیر اللہ صاحب اس سلسلے میں کہتے ہیں:

"عزرا اور مسیحی زمانے کے درمیانی عرصے میں فقہیوں نے شریعت کے تحت زندگی بسر کرنے کے سلسلے میں بے شمار پابندیوں کا اضافہ کر دیا۔ 'تلمود' میں سبت کی پابندیوں کے بارے میں تفصیلات سے دو باب بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں سبت کے دن حسبِ ذیل ۳۹ کاموں سے منع کیا گیا ہے: ہل چلانا، بیج بونا، فصل کاٹنا، پولے باندھنا، گاہنا، ہوا میں اڑانا، صاف کرنا، پیسنا، چھاننا، گوندھنا، پکانا، اون کترنا، اسے دھونا، اسے کوٹنا، اسے رنگنا، اسے کاتنا، اسے بٹنا، اس کی دوڈوریاں بنانا، اس کے دو دھاگے بننا، دو دھاگوں کو الگ کرنا، گانٹھ لگانا، گانٹھ کھولنا، دو ٹانکے لگانا، سینے کے لیے دو ٹانکے توڑنا، ہرن پکڑنا، اسے ذبح کرنا، اس کی کھال اتارنا، اسے نمک لگانا، اس کی کھال تیار کرنا، اس پر سے بال کھرچنا، اسے کاٹنا، دو خط لکھنا، دو خط لکھنے کے لیے مٹانا، تعمیر کرنا، ڈھانا، بجھانا، آگ جلانا، ہتھوڑے سے کوٹنا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی چیز کو لے کر جانا۔ پھر ان بڑی بڑی باتوں کی مزید تشریح کی گئی ہے جس کی وجہ سے سینکڑوں اور باتیں نکل آئیں جنھیں شریعت کا پابند ایک یہودی سبت کے دن نہیں کر سکتا تھا، مثلاً گانٹھ لگانا ایک عام سی بات ہے اس لیے یہ بتانا ضروری سمجھا گیا کہ کون سی گانٹھ لگائی جاسکتی ہے اور کون سی نہیں۔" (قاموس الکتاب ص ۵۰۰ مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۸۷)

سبت کے معاملے میں یہود کا بے جا غلو اس حد تک بڑھ گیا کہ مکابیوں کی جنگ میں یہودیوں نے سبت کے دن اپنی حفاظت کرنے سے بھی انکار کیا اور جب تقریباً ایک ہزار یہودی قتل کر دیے گئے تب انھوں نے فیصلہ کیا کہ سبت کے دن وہ حملہ نہیں کریں گے البتہ دفاع کریں گے[3]۔

ایف ایس خیر اللہ صاحب کہتے ہیں:

۳۔ مکابی ۲: ۳۱-۴۱۔

"انھوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ سبت کے دن محاصرے کے دمدمے وغیرہ ڈھائے نہ جائیں، لہٰذا پومیٔ نے سبت کے دن ہی پشتے بنائے اور کلوخ انداز کھڑے کیے۔ چونکہ یہود کی طرح سے مزاحمت نہیں ہوئی اس لیے وہ یروشلم پر بے دھڑک پتھر پھینکتا رہا۔" (قاموس الکتاب ص ۵۰۰)

حضرت مسیح اس بے جا غلو کو نہیں مانتے تھے:

"اور یوں ہوا کہ وہ سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر جا رہا تھا اور اس کے شاگرد راہ میں چلتے ہوئے بالیں توڑنے لگے۔ اور فریسیوں نے اُس سے کہا: دیکھ یہ سبت کے دن وہ کام کیوں کرتے ہیں جو روا نہیں؟ اُس نے ان سے کہا: کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا کہ جب اس کو اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے.... اور اُس نے اُن سے کہا: سبت آدمی کے لیے بنا ہے نہ آدمی سبت کے لیے۔" (مرقس ۲: ۲۳-۲۷)

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے سبت کے دن ایک بیمار شخص کو اچھا کیا تو یہود علما نے ان پر اعتراض کیا اور کہا کہ سبت کے دن یہ کام کرنا جائز نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا:

"سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے یا بدی کرنا؟ جان بچانا یا قتل کرنا؟" (مرقس ۳: ۴)

آپ نے مزید فرمایا:

"تم میں ایسا کون ہے جس کی ایک ہی بھیڑ ہو اور سبت کے دن گڑھے میں گر جائے تو وہ اسے پکڑ کر نہ نکالے۔ پس آدمی کی قدر تو بھیڑ سے بہت زیادہ ہے اس لیے سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے۔" (متی ۱۲: ۱۱-۱۲)

یہود سبت کے متعلق یہ بھی کہتے تھے کہ اس دن خدا نے آرام کیا[۴]۔ لیکن جب حضرت مسیح نے ایک شخص کو سبت کے دن اچھا کیا تو "یہودی یسوع کو ستانے لگے کیونکہ وہ ایسے کام سبت کے دن کرتا تھا لیکن یسوع نے ان سے کہا کہ میرا باپ (رب) اب تک کام کرتا ہے اور میں بھی کام کرتا ہوں[۵]۔"

پس حضرت مسیح نے سبت کا حکم نہیں توڑا البتہ لوگوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مسیحی سبت کو مانتے تھے لیکن جب یہودیوں اور مسیحیوں میں اختلاف اور جدائی کی خلیج زیادہ وسیع ہو گئی تو مسیحیوں نے سبت کو ماننا ترک کر دیا[۶]۔"

۴۔ خروج ۲۰: ۱۱۔

۵۔ یوحنا ۵: ۱۶-۱۷۔

۶۔ قاموس الکتاب ص ۵۰۰۔

اس تفصیلی بحث سے حضرت مسیح کی تعلیمات اور تورات کے قوانین کا آپس میں تعلق واضح ہو گیا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ دراصل تورات پر عمل پیرا تھے البتہ بعض پابندیاں اور اضافی بوجھ آپ نے ختم کر دیے۔ یہی مفہوم ہے ان کے اس قول کا 'ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم'۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ نے انسانوں سے تمام اضافی بوجھ اٹھا لیا۔ اہلِ کتاب مومنین کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کی یہی خصوصیت بتائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الاعراف ۷: ۱۵۷)

"وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس نبی امی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز ٹھیراتا اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور پابندیاں اتارتا ہے جو ان پر اب تک رہی ہیں۔ تو جو اس پر ایمان لائے جنھوں نے اس کی عزت اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

یہاں اہلِ کتاب مومنین کے متعلق فرمایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات اور انجیل میں واضح نشانیاں اور پیش گوئیاں پاتے ہیں اور اس لیے وہ ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل خصوصیات بیان کی ہیں:

۱۔ آپ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔

۲۔ آپ طیبات حل کرتے ہیں اور خبائث حرام کرتے ہیں۔

۳۔ لوگوں پر جو بوجھ (اصر) اور پابندیاں (اغل) تھیں آپ نے ان کو ان سے مکمل نجات دی۔ پس دین اپنی مکمل شکل میں انسانی فطرت سے بالکل ہم آہنگ کر کے پیش کر دیا گیا، اسی لیے دوسری جگہ فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

"آج میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کیا، تم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.(المائدہ۵:۳)

پر اپنی نعمت پوری کی اور تمھارے لیے اسلام دین پسند کیا۔"

اب نجات کی راہ صرف یہی ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ نازل ہونے والے نور (قرآنِ مجید) کا اتباع کیا جائے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اشراق

طالب محسن

قارئین ''اشراق'' کے خطوط و
سوالات پر مبنی جوابات کا سلسلہ

پل صراط

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سوال: : مساجد کے خطیب پل صراط کا بہت ذکر کرتے ہیں کہ روزِ محشر اس پر سے گزرنا ہو گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے تیز ہو گا۔ اس سے گزر کر ہی جنت تک پہنچا جا سکے گا اور اس کے نیچے جہنم ہو گا۔ لیکن یہ بات کبھی کسی ثقہ عالم سے سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میری گزارش ہے کہ اس کی شرعی نقطۂ نظر سے وضاحت کر دیں؟ (محمد زبیر خان، لاہور)

جواب: پل صراط کا تصور حدیث پر مبنی ہے۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کے اوپر ایک پل تان دیا جائے گا، جس سے لوگوں کو گزرنا ہو گا۔ متعدد روایات میں اس پل کا ذکر ہوا ہے اور اس کے مختلف پہلو سامنے آئے ہیں۔ بخاری میں ہے:

یضرب السراط بین ظهری جهنم. فأکون أنا و أمتي أول من یجیزها. و لا یتکلم یومئذ إلا الرسل و دعوی الرسل یومئذ اللهم سلم سلم. وفي جهنم کلالیب مثل شوک السعدان. هل رأیتم السعدان؟ قالوا: نعم، یا رسول

''جہنم کے کناروں پر ایک پل ٹکا دیا جائے گا۔ میں اور میری امت پہلے لوگ ہوں گے جو اسے پار کریں گے۔ اس روز خدا کے فرستادوں کے سوا کوئی بات نہیں کرے گا اور اس روز ان کی پکار ہو گی: اے خدایا، سلامتی ہو، سلامتی ہو۔ جہنم میں سعدان[1] کے کانٹوں کی مانند کھونٹے ہوں گے۔ کیا تم نے

[1] ۔ ایک صحرائی کانٹے دار جھاڑی۔

الله. قال فإنها مثل شوک السعدان غير أنه لا يعلم قدر عظمها إلا الله تخطف الناس بأعمالهم.
(کتاب التوحید، باب ۲۴)

سعدان دیکھا ہے؟ لوگوں نے بتایا: ہاں، اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا: پس یہ سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے، مگر ان کی بڑی جسامت کی مقدار سے اللہ ہی واقف ہے۔ یہ لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں اچک لیں گے۔"

اسی باب کی ایک اور روایت میں ہے:

ثم يؤتى بالجسر فيجعل بين ظهري جهنم. قلنا: يا رسول الله، و ما الجسر؟ قال: مدحضة مزلة. عليه خطاطيف، و كلاليب، و حسكة مفلطحة، لها شوكة عقيفاء تكون بنجد يقال لها: السعدان. المؤمن عليها كالطرف، و كالبرق، و كالريح، وكأجاويد الخيل، والركاب. فناج مسلم، وناج مخدوش، ومكدوش فی نار جهنم.

"پھر ایک پل لایا جائے گا اور اسے جہنم کے کناروں پر ٹکا دیا جائے گا۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول، یہ پل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک پھسلانے اور لڑھکانے والا۔ اس پر آنکڑے، کھونٹے، لمبے کیے ہوئے کانٹے ہوں گے۔ اس کے کانٹے مڑے ہوئے ہوں گے جو نجد میں پائے جاتے ہیں اور انھیں سعدان کہا جاتا ہے۔ سچے مؤمن اس پر سے آنکھ کے جھپکے، بجلی (کی چمک)، ہوا (کے جھونکے)، گھوڑوں اور سواروں کی سرعتوں کی طرح (گزر جائیں گے)۔ کچھ کامیاب صحیح سالم اور کچھ زخم زخم ہوں گے اور گھائل جہنم میں ہوں گے۔"

مسلم میں یہ تصریح بھی ہے:

قال أبو سعيد: بلغني أن الجسر أدق من الشعر و أحد من السيف.
(کتاب الایمان، باب ۸۱)

"ابو سعید بیان کرتے ہیں: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ پل بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔"

قرآنِ مجید میں اس پل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس پل کی حقیقت سمجھنے میں ہمیں قرآنِ مجید سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ قرآنِ مجید میں قیامت کے بعض احوال بیان ہوئے ہیں، لیکن ان میں اشارۃً بھی اس پل کا حوالہ نہیں ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پل کا انکار کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز قرآنِ مجید

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں بیان کیے گئے احوال سے متضاد نہیں ہے۔ اس پل کا ذکر سن کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آزمایش کا مرحلہ دنیا میں گزر چکا ہے، اب کسی آزمایش کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوال اس پل کی حقیقت کے نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ پل کوئی نئی آزمایش نہیں ہے بلکہ اسی دنیا کی آزمایش کی تمثیل ہے۔ دنیا کی یہ زندگی بھی ایک پل ہے۔ اس کے نیچے جہنم ہے۔ پل کے اوپر اطراف میں بیٹھے شیطان انسان کو نیچے گرانے کے درپے ہیں۔ دنیا کا یہ پل اور اس پر یہ سفر کا فہم ہم عقل کی سطح پر حاصل کرتے ہیں۔ قیامت میں یہی پل ایک مشہود حقیقت بن جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی اس آزمایش کو بھی ایک تمثیل میں بیان کیا ہے۔ مسند احمد میں ہے:

عن نواس بن سمعان الأنصاری رضی اللّٰہ عنه عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ضرب اللّٰہ مثلا صراطا مستقیما و علی جنبتی الصراط سوران. فیهما أبواب مفتحة وعلی الأبواب ستور مرخاة وعلی باب الصراط داع یقول أیها الناس ادخلوا الصراط جمیعا ولا تتفرجوا و داع یدعو من جوف الصراط. فإذا أراد یفتح شیئا من تلک الأبواب، قال: ویحک لا تفتحه فإنک إن تفتحه تلجه. والصراط الإسلام. والسوران حدود اللّٰہ تعالٰی. والأبواب المفتحة محارم اللّٰہ تعالٰی. و ذلک الداعی علی رأس الصراط کتاب اللّٰہ عزوجل. والداعی فوق الصراط واعظ اللّٰہ فی قلب کل مسلم.

(حدیث نواس بن سمعان کلابی انصاری)

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھے راستے کی ایک مثال دی تھی کہ اس کے دونوں طرف فصیلیں ہیں۔ ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں۔ ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ راستے کے دروازے پر ایک داعی ہے جو کہتا ہے: اے لوگو، اس راستے میں اکٹھے داخل ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے دور دور نہ رہو۔ ایک داعی راستے کے دوران میں بلاتا ہے۔ جب کوئی چاہتا ہے کہ وہ ان دروازوں میں سے کسی کو کھولے تو وہ کہتا ہے: تو اس دروازے کو نہ کھول، کیونکہ اگر تو نے اس کو کھولا تو اس میں داخل ہو جائے گا۔ یہ راستہ اسلام ہے۔ یہ فصیلیں اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ یہ کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرمتیں ہیں۔ یہ راستے کے سرے پر کھڑا داعی صاحبِ جلال آقا اللہ کی کتاب ہے اور یہ راستے کا داعی اللہ کا وہ واعظ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہے۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

راستے کی اس مثال اور پل صراط میں گہری مماثلت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس فصیل کے دروازے وہاں آنکڑے اور خم دار میخیں بن جائیں گے۔ جس نے یہاں دروازے کھول کر خدا کی حدود سے تجاوز کیا ہے، وہی ان آنکڑوں اور میخوں کا ہدف ہو گا۔

زکوٰۃ کے مسائل

سوال: ہر سال بینک اپنی مرضی سے ہمارے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے۔ ہم اکثر اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ زکوٰۃ فنڈ خورد برد ہو گیا ہے۔ زکوٰۃ فنڈ سے فلاں وزیر نے بنگلا بنا لیا۔ فلاں نے گاڑیاں خرید لیں۔ کبھی لکھا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہیں پہنچ رہی۔ اور کبھی یہ خبر سننے کو ملتی ہے کہ فلاں علاقے کے زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین ملوث پائے گئے۔ یہ بھی سنا تھا کہ زکوٰۃ دینی مدرسوں کو نہیں دی جا رہی، وغیرہ۔ آپ سے پوچھنا ہے کہ:

۱۔ ایسی صورت میں بینک سے زکوٰۃ کٹوا دینا صحیح ہے یا نہیں۔ یعنی جبکہ زکوٰۃ فنڈ صحیح طور پر مستحق لوگوں کو نہ پہنچ رہا ہو؟

۲۔ گزشتہ بیس برسوں کے دوران زکوٰۃ فنڈ قائم ہونے کے باوجود ملک سے غربت کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی زکوٰۃ صحیح طور پر خرچ نہیں ہو رہی اور خورد برد کی خبریں اور شکایتیں عام ہیں۔ کیا پھر بھی ہم بینک سے زکوٰۃ کٹواتے رہیں؟

۳۔ بینک والے اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ رقم ایک سال سے اکاؤنٹ میں ہے یا نہیں۔ بس وہ تو یکم رمضان کو زکوٰۃ کاٹ لیتے ہیں۔ ابھی ہم نے رمضان سے پہلے مکان بنانے کے لیے قرضہ لیا تھا اور اپنے اکاؤنٹ میں رکھوایا تھا۔ اس پر بھی زکوٰۃ کٹ گئی۔ کیا بینک یا حکومت کا یہ کام صحیح ہے؟

۴۔ جب زکوٰۃ مستحق لوگوں تک نہ پہنچ رہی ہو اور بینک ہر طرح کے سرمایہ پر کٹوتی کر رہے ہوں اور جب خورد برد کی یقینی خبریں موجود ہوں، اس صورت میں بینک سے زکوٰۃ کٹوانے کے بجائے ہم خود یکم رمضان سے پہلے اپنی رقم بینک سے نکلوا لیں اور اپنی زکوٰۃ کا حساب کر کے کسی دینی مدرسہ یا یتیم خانہ وغیرہ کو دے دیں تو کیا اسلام کی رو سے یہ کوئی جرم تو نہیں؟

۵۔ کیا بینکوں کا سال بھر کا حساب کیے بغیر لوگوں کے اکاؤنٹ سے خواہ وہ ان کی ذاتی رقم ہو یا قرض

کی رقم ہو یا امانت ہو زکوٰۃ لے لینا اسلام کی رو سے جائز ہے؟

براہِ کرم تفصیل سے جواب دیں تاکہ ہم آیندہ اسی کی روشنی میں بینک سے زکوٰۃ کٹوانے یا اسے خود ادا کرنے کا فیصلہ کر سکیں۔ (ڈاکٹر حفیظ الرحمان، کراچی)

جواب: عرض ہے کہ زکوٰۃ کی کٹوتی کی اصل ذمہ دار حکومت ہے۔ یہ اسی کا حق ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرے اور اسے ریاست اور اس کے شہریوں کی بہبود پر خرچ کرے۔ بدعنوانی ایک جرم ضرور ہے اور اس کی اصلاح بھی ہونی چاہیے۔ لیکن یہ چیز حکومت کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذر نہیں بن سکتی۔ ہمارے نزدیک، حکومت زکوٰۃ و عشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس نہیں لگا سکتی۔ اور اسے اسی آمدنی سے نظمِ ریاست بھی چلانا ہے اور غریبوں کی مدد بھی کرنی ہے۔ موجودہ نظام ہمارے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔ چنانچہ ہم بھی اس کی اصلاح کے لیے بہت سی تجاویز رکھتے ہیں اور اسے مختلف مواقع پر پیش بھی کرتے رہتے ہیں۔ موجودہ نظام میں چونکہ حکومت نے زکوٰۃ کو محض چیرٹی فنڈ بنا کر رکھ دیا ہے اور وہ حکومت کو زکوٰۃ نہ دینے کو جرم بھی نہیں سمجھتی، اس لیے آپ جیسے چاہیں زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ ہمارے نزدیک خرابیوں کے باوجود حکومت کو زکوٰۃ ادا کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

سال گزرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر مال کے بارے میں الگ الگ طے کیا جائے گا کہ اس پر سال گزرا ہے یا نہیں۔ اس معاملے میں سال کا ایک دن کا تقرر ہی اصل قاعدہ ہے۔ سال میں کسی مال پر ایک ہی بار زکوٰۃ لی جائے گی۔ حولانِ حول سے یہی مراد ہے۔ البتہ آپ کی یہ بات درست ہے کہ قرض پر لی گئی رقم پر زکوٰۃ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ واقعی نظام کی خرابی ہے اور اس کی اصلاح بھی ہونی چاہیے اور یہ رقم اگر آپ بینک میں ان دنوں میں نہ رکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

اگر آپ چاہیں تو جب تک حکومت زکوٰۃ کی ادائیگی کو لازم نہیں کرتی، اپنی رقوم اور زیورات کی زکوٰۃ خود ادا کر سکتے ہیں۔

قومی ترقی اور عورت کا کردار

سوال: آپ کی رائے میں عورت کا اجتماعی اور انتظامی سرگرمیوں میں حصہ لینا ناموزوں ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اس وقت تک کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی، جب تک اس کی خواتین بھی اس عمل میں شریک نہ ہوں۔ ظاہر ہے، ملک کی آدھی آبادی کو آپ صرف گھر تک محدود کر دیں گے تو وہ آگے کیسے بڑھے گی۔ میرے خیال میں اگر عورت کی اصل ذمہ داری کو نظر انداز کیے بغیر اور اسلامی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ عورت کے کام کرنے کے شعبوں کو اس کی نفسیات اور مزاج کے حوالے سے محدود تو کر سکتے ہیں۔ مگر ختم کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: آپ کا یہ سوال حقیقت میں اپنے نقطۂ نظر کا بیان ہے۔ ہمیں آپ کی رائے کے آخری جز یعنی عورت کے مزاج، نفسیات اور اسلامی حدود کا خیال رکھتے ہوئے، عورت کا بعض شعبوں میں خدمات انجام دینا ناموزوں نہیں ہے، سے پورا اتفاق ہے بلکہ بعض شعبے ایسے ہیں جن میں عورت کی خدمات سے فائدہ اٹھانا ناگزیر ہے۔ البتہ قومی ترقی میں عورت کے کردار کے حوالے سے آپ کا نقطۂ نظر محلِ نظر ہے۔ موجودہ زمانے میں بعض الفاظ اور تصورات بہت مقبول ہو گئے ہیں۔ لوگ اس مقبولیت کے باعث ان کے حقیقی اطلاق پر غور نہیں کر پاتے اور اسے زمانے کی روش کے مطابق دہراتے رہتے ہیں۔ ''قومی ترقی میں عورت کا برابری کا کردار'' بھی ایک مقبولِ عام نعرہ ہے۔ اگر ہم قومی ترقی کے تصور کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ در حقیقت زراعت، صنعت اور تجارت میں ترقی کا نام ہے۔ پولیس، عدالتی نظام، تربیت، تعلیم اور صحت کے شعبے ان شعبوں میں ترقی کے معاون شعبے ہیں۔ وہ قومیں جن کو ہم ترقی یافتہ اقوام سمجھتے ہیں ان کی خواتین کا تین بنیادی شعبوں میں کردار مردوں کے مقابلے میں انتہائی کم ہے۔ البتہ معاون شعبوں میں اس کا کردار قدرے زیادہ ہے۔ وہاں بھی عورت کو زیادہ تر شو بزنس، معمولی مزدوری یا سیکرٹری شپ کی ملازمت کا شعبہ ہی میسر آتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ برابری کا تصور محض تصور ہی ہے۔ عورت کو برابری کا تصور دے کر اس کے اصل کردار سے محروم کر دینے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کیا جا سکا اور عورت خواہی نہ خواہی مرد کے لیے کھلونا بنی ہوئی ہے۔ عورت کی اصل حقیقت ''ماں'' ہے۔ ماں کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے بہت محدود اوقات میں اس سے بعض شعبوں میں کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر اس طرح کا کوئی نظام بنا لیا جائے کہ عورت اپنے گھر کو نظر انداز کیے بغیر گھر سے باہر بھی کچھ خدمات انجام دے تو یہ ایک مفید صورت ہو گی۔ موجودہ صورتِ حال میں تو اسلام کے پیشِ نظر گھر اور اخلاقی اقدار سے آنکھیں پھیر کر ہی ''قومی ترقی'' کا ہدف حاصل کیا جا رہا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

عقل کا استعمال

سوال: آپ کی رائے میں ایک غیر مسلم شخص نے اگر زندگی میں نیک کام کیے ہیں اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت صحیح طریقے سے اور پوری طرح نہ پہنچی ہو تو امید ہے کہ اللہ اس کا عذر قبول فرمائیں گے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کو انسان کی فطرت میں رکھا ہے اور اسے عقل سے بھی نوازا ہے۔ آج کل انسان کا رجحان مذہب سے دوری کا ہے۔ آج کا انسان مذہب پر غور و فکر نہیں کرتا۔ اگر ایک شخص نے مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دی اور حق کی تلاش میں غور و فکر سے کام نہیں لیا تو اس کا عذر کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ کیا عقل سے کام لیتے ہوئے حق کو تلاش کرنا ممکن نہیں؟ میرا خیال ہے کہ انسان پر عقل سے کام لینا فرض ہے؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: مذہب سے دوری کا ایک سبب، ہمارے نزدیک، خود اہلِ مذہب کا رویہ ہے۔ وہ شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے، وہ مسلمانوں میں پلتا بڑھتا ہے، وہ مابعد الطبیعیاتی حقائق کے بارے میں سوالات کا جواب بچپن ہی میں پا لیتا ہے۔ اسے اپنے دینی فرائض سے بھی بچپن ہی میں آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی مذہب سے دوری کا سبب مذہب کے بارے میں پھیلا ہوا یہ عمومی تصور بنتا ہے کہ دین کو اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ ترکِ دنیا ہے۔ ایک ضرورت تو یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ دین، دنیا کی زندگی گزارتے ہوئے آخرت کمانے کی تعلیمات کا نام ہے۔ دوسرا سبب دین کے بارے میں پھیلے ہوئے مختلف تصورات، فقہی اختلافات، عامتہ الناس کی دین کے براہِ راست علم سے محرومی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اصل اور بنیادی دین سے لوگوں کو اس طرح آگاہ کر دیا جائے کہ وہ ان تصورات اور اختلافات کی اہمیت اور مقام کو اس کی جگہ پر رکھ سکیں اور ان میں فرقہ پرستی کے داعیات کمزور ہوں۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ لوگ دین کے حقائق کو سمجھنے کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ لیکن اگر اس طرح کے اسباب کو دور کیا جا سکے تو بہت سے لوگ دین کی طرف راغب ہو جائیں گے۔ بنیادی کام غلط افکار کی جگہ صحیح افکار کو فروغ دینا ہے۔ اگر یہ کام ہو جائے تو لوگوں کا اپنی عقل پر اعتماد بحال ہو سکتا ہے اور وہ اپنے اس فطری فریضے کو ادا کرنے والے بن سکتے ہیں کہ وہ معاشرے میں پھیلی ہوئی باتوں میں حق و باطل کی تمیز میں وحی کی روشنی میں اپنی عقل استعمال کریں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سفرنامہ

محمد بلال

میں حاضر ہوں! میں حاضر ہوں!

(۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طواف کے سات چکر مکمل ہو چکے تھے۔ مگر ''مقام ابراہیم'' کے پاس دو نوافل ادا کرنے کا موقع ابھی تک نہ ملا تھا۔ ابو بکر نے مجھے حجرِ اسود کے سامنے برآمدوں کی بیرونی دیوار کے اوپر دو درمیانے سائز کی جلتی ہوئی ٹیوبیں دکھائیں۔ یہ وہی لائٹیں تھیں جن کے بارے میں حج و عمرہ کی کتابوں میں ''سبز نشان'' کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ میں جب بھی ''سبز نشان'' کے الفاظ پڑھتا تھا تو میرے ذہن میں سبز رنگ کے نشانوں کا تصور ابھرتا تھا جب میں نے ان نشانوں کو دیکھا تو صورتِ حال اس تصور سے مختلف تھی۔ اگر میرا کزن مجھے نہ بتاتا کہ یہ ٹیوبیں ہی دراصل وہ نشان ہیں تو شاید میں وہاں سبز پینٹ کے نشان تلاش کرتا رہتا۔ بہر حال اس ''سبز نشان'' کے ساتھ ہی صفا اور مروہ لکھا ہوا تھا اور تیر کے اشارے سے ان پہاڑیوں کے مقام کی جانب اشارہ بھی کر دیا گیا تھا۔

اب ہمارا مختصر قافلہ صفا کی جانب چلا۔ وہاں جا کر پہلے ہم نے ایک برآمدے میں دو نوافل ادا کیے جو ''مقام ابراہیم'' کے پاس نہیں پڑھ پائے تھے۔ نوافل ادا کرنے کے بعد قریب ہی موجود واٹر کولر سے آبِ زم زم پیا۔ آبِ زم زم مجھے پاکستان میں پہلے بھی کئی بار پینے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے، مگر مسجدِ حرام میں جب اس تبرک کو اپنے جسم میں اتارا تو ایسی فرحت محسوس ہوئی جو ناقابلِ بیان ہے۔

صفا مروہ کی اصل پہاڑیاں تو وہاں اب ایک خوب صورت ائیر کنڈیشنڈ برآمدے کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ دیواروں پر شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں۔ البتہ ان برآمدوں کے پتھروں کے تراشے ہوئے ہموار فرش

میں بعض مقامات پر ہموار اترائی اور چڑھائی موجود ہے۔ اس سے لطیف سا احساس ہوتا ہے کہ ہم کسی پہاڑی پر سعی کر رہے ہیں۔ البتہ صفا کی پہاڑی کا ایک چھوٹا سا حصہ اسی صورت میں محفوظ ہے۔ اس پر لوگ بیٹھے مختلف سر گرمیوں میں مصروف تھے۔ اکثر لوگ وہاں بیٹھ کر قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ بعض لوگ اس میں کوئی ہموار جگہ پا کر نوافل ادا کر رہے تھے۔ اسی طرح مروہ کا بھی ایک حصہ اسی شکل میں محفوظ ہے، مگر یہ حصہ برآمدوں کے فرش کے نیچے ہے۔ اس حصے کے اوپر انتظامیہ نے شیشے کی مانند شفاف مادہ لگا دیا ہے۔ اس مادے کا فرش ہموار ہے البتہ اس کے اندر سے مروہ کی پہاڑی کا غیر ہموار حصہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ ان برآمدوں میں آب زم زم کے بہت سے خوب صورت واٹر کولر موجود ہیں۔ ائیر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوا ان برآمدوں کی دیواروں کے مختلف مقامات سے نکل کر لوگوں کے جسم سے ٹکرا رہی تھی اور ان کو آرام اور سکون دے رہی تھی ان برآمدوں کے درمیان وہیل چیئرز پر ضعیف، بیمار اور عمر رسیدہ لوگوں کی سعی کا اہتمام تھا۔

صفا وہی پہاڑی ہے جس پر کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم قریش کو سب سے پہلے علانیہ دعوتِ حق دی تھی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی: ''واصباحاہ'' (ہائے صبح) .... (اہلِ عرب کے تمدن میں یہ دستور تھا کہ وہ کسی دشمن کے حملے سے آگاہ کرنے کے لیے کسی بلند مقام پر چڑھ کر انھی الفاظ سے پکارتے تھے۔ گویا یہ ایک قدرتی اسٹیج تھا) یہ پکار سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم یقین کر لو گے؟ سب نے کہا: ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب نازل ہو گا۔ میں تمھیں اس عذاب سے خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ سن کر سب لوگ، جن میں ابولہب (آپ کا چچا) بھی شامل تھا، سخت برہم ہو کر واپس چلے گئے۔

انھی پہاڑیوں کے متعلق حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کے وہ مشہور واقعات ہیں جو حج و عمرہ کے ساتھ معنوی نسبت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں بھی سید شبلی نعمانی کی ''سیرت النبی'' سے استفادہ کرتے ہوئے چند تحقیقی نوعیت کے قیمتی اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

> ''حضرت ابراہیم کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا ایک بات تھی یعنی دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلاں معبد میں قربانی چڑھا دو تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس

معبد کی خدمت اور مجاورت کے لیے گھر سے الگ کر دیا جائے، لیکن یہ لفظ جب جانوروں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے ..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور اس لیے بعینہٖ اس کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا..... حضرت ابراہیم کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں، بلکہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیے جائیں۔ تورات میں جابجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے .... اس بنا پر حضرت ابراہیم نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لیے خاص کر دیا اور جو شرطیں قربانی کی تھیں، قائم رکھیں۔..... تورات میں قربانی گاہ کا جو موقع بتایا ہے وہ ''مریا'' ہے۔ مورہ کی نسبت تورات میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے۔ تمام واقعات اور قرائن کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے جو مکۂ معظمہ کی پہاڑی ہے اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔..... عرب کی روایات، قرآنِ مجید کی تصریح، احادیث کی تعیین تمام چیزیں اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحتِ واقعہ کے ممکن نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے: حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''قربانی گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی گاہ ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی بلکہ منیٰ میں ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل پر ہے، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا۔ یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہیں حضرت اسماعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

قرآنِ مجید میں ہے: ''پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے۔ (سورۂ حج آیت ۳۳) قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۹۵)

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اس کے قریب ہے۔ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے، منیٰ نہیں، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی ..... حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا۔ اے ابراہیم! حضرت ابراہیم نے کہا ''میں حاضر ہوں۔'' حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہیں یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ وہی

ہے: ''میں حاضر ہوں۔'' شریعتِ ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے یا خدا کی نذر دیتے تھے، وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔ حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اسی کی یاد گار ہے۔..... قرآنِ مجید میں فرمایا ہے: ''اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی۔'' (سورۂ صافات، آیت ۳) مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا ہے یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا۔ قرآنِ مجید میں ہے: ''تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے تمھارا نام مسلمان رکھا۔'' (سورۂ حج، آیت ۷۸)

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے، یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو قربانی کرنا چاہا اور ان سے کہا کہ ''مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا تمھاری کیا رائے ہے؟'' تو حضرت اسمٰعیل نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے اس موقع پر خدا نے ''اسلما'' کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی ''تسلیم'' اور حوالہ کر دینے کے ہیں۔

''پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (ہمارے) حوالہ کر دیا'' (سورۂ صافات، آیت ۱۰۳)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں۔ یہ وصف مقبولِ بارگاہ ہوا۔ اور پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا یہی شعار مذہبی قرار پایا۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مسلم رکھا۔''

(ص ۹۴-۹۹)

سعی کے دوران میں بھی پاؤں میں ہلکا سا درد محسوس ہوا، مگر خدا کے لیے درد سہنے کی مشق کا تصور ذہن میں آیا تو درد کی شدت کا احساس کم ہو گیا۔ سعی کا عمل بے توقف جاری رکھا۔ پھر قدیم لوگوں کی سعی کا خیال آیا، میں نے سوچا: ان کی سعی کس قدر مشکل اور پرُمشقت تھی اور ہماری سعی کس قدر آسان اور پرُسکون ہے۔

سعی کے بعد ہم حرم سے باہر نکلے۔ سر منڈوانے کے لیے ایک حجام کی دکان میں داخل ہوئے۔ حجام شاید پاکستانی تھا۔ میری باری آئی تو اس نے پوچھا: استرا یا مشین۔ میں ذاتی طور پر بڑے بڑے بال رکھنا پسند کرتا ہوں۔ ایک خیال آیا: مشین ہی پھروا لیتے ہیں۔ سر کے اوپر کچھ تو بال رہیں۔ مگر اس وقت مجھے وہ ملاقات یاد آ گئی جو سعودی عرب آنے سے قبل میں نے الاستاذ محترم جاوید احمد غامدی سے کی تھی۔ جب ان سے اس مسئلے پر بات ہوئی تو انھوں نے کہا تھا: ''بال بالکل صاف کرا دینے سے صحیح روح پیدا ہوتی ہے اور بڑا لطف آتا ہے۔''

جاوید صاحب کی بات یاد آتے ہی مخلوق کی خوش نودی پر خالق کی رضا حاصل کرنے کے جذبے نے غلبہ حاصل کر لیا۔ میں نے علامتی طور پر اللہ کا ''آئیڈیل غلام'' بننے کا عزم کیا اور مضبوط لہجے میں حجام کو جواب دیا: استرا۔ اور مشین کے خیال کو ذہن کے کباڑ خانے میں پھینک دیا۔

میرے والد صاحب بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سر کے بال پہلے ہی کم ہیں، چنانچہ وہ جلدی فارغ ہو گئے۔ میں بالعموم بڑے بال رکھتا ہوں۔ بالوں سے پاک ہونے کے بعد جب آئینہ دیکھا تو میری شکل بالکل بدل چکی تھی۔ مجھے اپنا آپ اجنبی سا محسوس ہوا۔ میری شکل بدلنے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میرے پاس کھڑے میرے والد صاحب نے ابو بکر سے کہا: ''بلال کہاں گیا ہے؟'' یہ الفاظ سنتے ہی میرے لیے ہنسی روکنا ناممکن ہو گیا۔

پھر ہوٹل کے کمرے میں آئے۔ غسل کیا۔ چائے پی۔ مگر بیت اللہ کو دیکھنے اس کے پاس وقت گزارنے کی ''پیاس'' تاحال باقی تھی۔ میں اور ابو بکر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکل گئے۔ کچھ ضروری خرید و فروخت کے سلسلے میں چند دکانوں سے ہو کر مسجدِ حرام کا رخ کیا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بیت اللہ کے قریب پہنچے۔ نمازِ تراویح ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے طواف کرنے والوں کا دائرہ بڑھ چکا تھا۔ ہم پھر طواف کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور حطیم میں نوافل ادا کرنے کی تشنۂ تکمیل خواہش پھر بے چین کرنے لگی۔

بیت اللہ کے ساتھ حجرِ اسود کو بوسہ دینے والوں کی تین قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ ہم بھی ایک قطار میں شامل ہو گئے۔ میں قطار کے اس حصے میں شامل ہوا جو طواف کرنے والوں کے لیے رکاوٹ بن رہا تھا، لہٰذا چند لمحوں کے بعد ایک سپاہی نمودار ہوا اور اس نے مجھے قطار سے الگ کر دیا۔ ابو بکر بھی قطار سے باہر آ گیا۔ ہم نے ایک اور چکر لگایا۔ اب قطار کچھ مختصر ہو چکی تھی۔ ہم فوراً پھر قطار میں کھڑے ہو گئے۔ آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے حجرِ اسود کے پاس پہنچا۔ حجرِ اسود اندر سے پیالے کی طرح ہو چکا ہے۔ میں نے جھک کر فوراً اس کا بوسہ لیا اور اس پر ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ سپاہی نے آگے بڑھنے کے لیے کہا۔ اس وقت ہم بیت اللہ کے بالکل قریب ہو گئے تھے، اس لیے حطیم میں بھی جگہ مل گئی، لہٰذا وہاں نوافل ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل کر لی۔

اسی اثنا میں موسم نے ایک کروٹ لی۔ بوندا باندی شروع ہو گئی، مگر اس کا لوگوں کے طواف کرنے کے عمل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

طواف مکمل کرنے کے بعد ہم مسجدِ حرام کے برآمدوں کی طرف بڑھ گئے۔ برآمدے میں بہت سے لوگ

سوئے ہوئے تھے، جن میں بعض عورتیں بھی شامل تھیں۔ بعض لوگوں نے تیز ٹھنڈی ہوا کے باعث قالین کو اپنے اوپر اوڑھ لیا تھا۔ بیت اللہ اوپر سے کیسا دکھائی دیتا ہے، اس خواہش کی تکمیل کے لیے ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے۔ جب ہم اوپر پہنچے تو بارش بہت تیز ہو چکی تھی۔ وہ بہت غیر معمولی منظر تھا۔ تیز بارش اور تیز ہوا۔ مگر طواف کرنے والوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی، بلکہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ملتزم کے ساتھ چپکے ہوئے لوگ بدستور چپکے ہوئے تھے۔ بیت اللہ کے خوب صورت پرنالے سے پانی تیز ہوا کی وجہ سے دھار کے بجائے پھوار بن کر گر رہا تھا اور بہت سے لوگوں کو سیراب کر رہا تھا۔ سیاہ غلاف میں لپٹا ہوا بیت اللہ اور اس کا سفید فرش۔ پھر طواف کرنے والوں میں سفید احرام اور سیاہ برقعے۔ سیاہ اور سفید رنگ کا عجیب امتزاج تھا۔ تیز ہوا کے باعث بارش کا پانی پھوار بن کر ہمارے چہروں پر بھی پڑ رہا تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے برسوں کی پیاس بجھ رہی ہے۔ بہت مسرور کن اور مسحور کن سکون وجود میں اتر رہا تھا۔

ابو بکر نے بتایا: ''سعودی عرب میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ مجھے پاکستان کے موسم بہت یاد آتے ہیں۔ سعودی عرب میں موسموں میں وہ تنوع نہیں ہے جو پاکستان میں ہے۔'' اس وقت ابو بکر بھی بہت مسرور اور مسحور تھا۔

پھر ہم صفا و مروہ کے برآمدے کی چھت پر چلے گئے، جو ظاہر ہے اوپر والی منزل کا فرش تھا۔ اس کی کھڑکی سے ابو بکر نے مجھے وہ گھر دکھایا جہاں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش ہوئی تھی، جسے اب ایک لائبریری بنا دیا گیا تھا۔ اس ''لائبریری'' کے قریب مسجدِ حرام کی صفائی کرنے والی مشینیں کھڑی تھیں۔ تاریخی اعتبار سے ایک انتہائی غیر معمولی مقام کے ساتھ یہ ''سلوک'' اچھا نہیں لگا۔ اس کھڑکی سے سعودی عرب کے حکمرانوں کے محلات کی بلند عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ محل اتنا بلند تھا کہ مسجد حرام کے مینار بھی اس سے نیچے دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اس محل کی شان کا مقابلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ پیدایش کی حالت سے کیا تو دل افسردہ ہو گیا۔ پھر وہاں موجودہ شاپنگ سینٹروں کی عمارتوں کی بلندی کو دیکھا تو وہ بھی مسجدِ حرام کے میناروں کو پیچھے چھوڑ چکی تھیں۔

(جاری)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید

رازداں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فضا خموش، سوادِ فلک ہے تیرہ و تار
کہ لٹ گئی ہے کہیں آبروے چرخِ بریں
نگاہِ قلب کے تاروں میں اختلالِ سرود
مرے وجود میں شاید مرا وجود نہیں

شروعِ وادیِ کاغان میں مقامِ جنوں
مقامِ حاصلِ ایماں ، مقامِ اِلاّ ہو
مری حیاتِ پریشاں کی رفعتوں کا مقام
مری قباے دریدہ کی آرزوے رفو

یہی مقام ہے اُس کا روانِ حق کا مقام
گواہ جس کی صداقت پہ عصمتِ جبریل

مری نگاہِ تمنا کی جستجو کا کمال
نواحِ مشہدِ احمدؐ ، مقامِ اسمٰعیلؑ

میں اِس مقام کے ذرّوں کو آسماں کہہ دوں
زمیں پہ عرشِ معلّٰی کے رازداں کہہ دوں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com